جون 2007

تدبر
لاہور

جاری کردہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مدیر: عبداللہ غلام احمد

یکے از مطبوعات:

ادارہ تدبر قرآن وحدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور، پاکستان
ای میل: tadabbur@hotmail.com

قرآنِ مجید مترجم

اردو ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحی

صفحات: 920

سائز: 20 x 30 x 8

ترجمہ: بین السطور

ہدیہ: -/520

• عربی کتابت بڑے بڑے لفظوں میں اور نہایت روشن ہے۔

• دلکش طباعت • مضبوط جلد بندی

فاران فاؤنڈیشن فرسٹ فلور، ملک بلڈنگ، 19۔اے ایبٹ روڈ، لاہور۔

فون: 6303244-42-92+ ای میل: faran@wol.net.pk

قرآنِ حکیم

ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ

حواشی: مولانا خالد مسعودؒ

خصوصیات:

■ فکر فراہی کی روشنی میں قرآن حکیم کا پہلا ترجمہ ■ نفیس کتابت ■ مضبوط جلد

■ سفید زمین اور رنگین حاشیہ کے ساتھ عمدہ طباعت

قیمت: سٹینڈرڈ ایڈیشن: -/600 روپے حمائل ایڈیشن: -/425 روپے

فاران فاؤنڈیشن فرسٹ فلور، ملک بلڈنگ، 19۔اے ایبٹ روڈ، لاہور۔

فون: 6303244-42-92+ ای میل: faran@wol.net.pk

تدبّر
لاہور

جاری کردہ

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مدیر:

عبداللہ غلام احمد

شمارہ 92

جون 2007ء

جمادی الاوّل 1428ھ

فہرست

تذکرہ تبصرہ

❀ نفرت اور محبت کے حالات میں صحیح رویہ
عبداللہ غلام احمد 2

تدبر قرآن

❀ تفسیر سورۂ بقرہ
مولانا حمید الدین فراہیؒ 10

تدبر حدیث

❀ درس صحیح بخاری۔ کتاب فی المظالم والغصب کی روایات
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 22

❀ درس موطا امام مالک۔ کتاب النکاح کی روایات
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 36

مقالات

❀ ہدایت وضلالت
محبوب سبحانی 51

مجلس ادارت

❀ محبوب سبحانی

❀ سید اسحاق علی

❀ محمد نعمان علی

O

قیمت: 15.00 روپے

سالانہ: 60.00 روپے

بیرون ملک: 400.00 روپے

(ماسوائے برصغیر)

ناشر: ادارہ تدبر قرآن وحدیث۔ 756۔راوی بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور، پاکستان

تذکرہ و تبصرہ

عبداللہ غلام احمد

نفرت اور محبت کے حالات میں صحیح رویہ

انسان کو اپنی زندگی کے دوران مختلف قسم کے گرم سرد حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان میں خوش گوار حالات بھی ہوتے ہیں اور ناخوشگوار بھی، محبت کے حالات بھی ہوتے ہیں اور نفرت کے بھی، دوستی بھی ہوتی ہے اور دشمنی بھی۔ ایسے حالات انسان کے نہ صرف انسان کی دنیوی طرزِ زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں بلکہ آخرت میں اس کی کامیابی یا نامرادی میں بھی ان کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ ان حالات میں انسان کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے، اس بارے میں قرآن مجید نے جو ہدایت اور رہنمائی فرمائی ہے ہم اس کو اپنے لفظوں میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

انسان کی اپنے بیوی بچوں سے محبت ایک فطری چیز ہے۔ محبت کا جذبہ نسل انسان کی بقا اور اس کے نشو و نما کے لیے لازمی ہے لیکن یہ محبت انسان کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش بھی ہے۔ اس آزمائش سے متنبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (التغابن ۶۴: ۱۴-۱۵)

”اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے لیے دشمن ہیں تو اُن سے بچ کے رہو اور اگر تم معاف کرو گے، درگزر کرو گے اور بخشو گے تو اللہ غفور رحیم ہے۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے امتحان ہیں اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔“

ان آیاتِ کریمہ میں اہلِ ایمان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ آدمی کے بیوی بچے بسا اوقات اس کے لیے آزمائش بن جاتے ہیں، ان کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت سے متصادم ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال قربان کرنے میں مزاحم ہوتے ہیں۔ انسان ان کی محبت میں گرفتار ہو کر دین کے تقاضے پورے کرنے سے یا تو غافل ہو جاتا ہے یا حوصلہ ہی کھو بیٹھتا ہے اور اندیشہ ہوتا ہے کہ بیوی بچوں کا مفاد اور ان کی محبت اس قدر غالب آجائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو نظر انداز کر بیٹھے۔ فرمایا کہ تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے لیے دشمن ہیں تو اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کے بیوی بچے لازماً ایسے ہی ہوں۔ اکثر بیوی بچے راہِ حق میں مزاحم ہونے کے بجائے معاون ہوتے ہیں لیکن کچھ اہل و عیال ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ آدمی کو خدا کے حقوق ادا کرنے سے روکنے والے بن جاتے ہیں۔ آدمی ان کے لیے آسائشوں کے حصول کے لیے اور ان کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ سے مال جمع کرتا ہے اور اس کو سمیٹ سمیٹ کر رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چراتا ہے اور بزدلی اور بخل پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ چیز انجام کار کے اعتبار سے آدمی کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔ اس کی ہلاکت میں اس کے اہل و عیال کا کردار درحقیقت دشمن کا کردار ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے بچ کر رہو یعنی ان کی محبت کے پھندے میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کے حقوق کو نظر انداز نہ کرو اور دین کے تقاضے پورے کرتے رہو۔

اس آیہ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی بچے سب کے سب آدمی کے دشمن نہیں ہیں بلکہ ان میں سے کچھ دشمن ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا دشمن ہونا آدمی کے اپنے رویہ کی وجہ سے ہوتا ہے اس لیے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ تمہارے لیے یہ دیکھنا تو ضروری ہے کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے روکنے والے نہ بنیں لیکن ساتھ ہی یہ لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حتی الامکان یہ چیز قطع تعلق اور مفارقت پر منتج نہ ہو بلکہ جس حد تک گنجائش ہو عفو و درگزر اور چشم پوشی سے کام لو اور یہ امید رکھو کہ اللہ غفور رحیم ہے۔ وہ تمہاری کوتاہیوں سے بھی درگزر فرمائے گا اور ان کی کمزوریوں کو بھی معاف فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المنٰفقون ۶۳: ۹)

”اے ایمان والو! اللہ کی یاد سے تمہیں غافل نہ کرنے پائیں تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد اور جو ایسا کریں گے تو یاد رکھیں وہی لوگ گھاٹے میں پڑے۔“

یہ آیہ کریمہ اس سیاق میں آئی ہے کہ تم منافقوں کی روش کی تقلید نہ کرنا۔ ان کو مال و اولاد کی محبت نے خدا سے غافل کر دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ مال و اولاد کی محبت جب اللہ تعالیٰ کی محبت پر غالب آجائے تو آدمی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اور نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اصل نامرادی اور محرومی یہی ہے۔ جو لوگ اللہ کو بھلا بیٹھتے ہیں وہ خود اپنے انجام کو بھلا بیٹھتے ہیں اور شیطان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔

اہل و عیال کے بارے میں انسان کا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ ان سے محبت تو رکھے لیکن وہ چوکنا رہے کہ جب کبھی ان کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت سے متصادم ہو، اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال و جان کی قربانی میں مزاحم ہو تو ان کی محبت یا ان کی خواہشیں دین کی راہ میں اس کے لیے زنجیر پا نہ بننے پائیں۔ وہ اپنے آپ کو فتنہ میں پڑنے سے بچاتا رہے۔ اپنے قول و عمل سے اپنے اہل و عیال کی کمزوریوں کی اصلاح کی کوشش کرتا رہے۔ جب تک کفر و ایمان کا سوال پیدا نہ ہو ان سے قطع تعلق نہ کرے۔ ان کے ساتھ عفو و درگزر کا رویہ رکھے۔ جس حد تک گنجائش ہو ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے جدوجہد کرتا رہے، ان کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کرتا رہے۔ ان کے لیے اور اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا رہے اور امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا اور ان کی کمزوریوں کی بھی معاف فرمائے گا۔

اہل ایمان کو اپنے بیوی بچوں کے بارے میں جو کنا رہنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ ان سے بالکل قطع تعلق کر لیا جائے، ان پر تشدد کیا جائے یا ان سے بدسلوکی کی جائے۔ اسی طرح عفو و درگزر سے مراد یہ نہیں کہ آدمی بیوی بچوں کو علانیہ دیکھتا ہے کہ ان کا رویہ شریعت سے ہٹا ہوا ہے تو وہ یہ فرض کر کے نظر انداز کر دے کہ آہستہ آہستہ خود ان کی اصلاح ہو جائے گی۔ جو شخص اپنے بیوی بچوں اور اپنے عزیزوں کی خلاف شریعت باتوں سے چشم پوشی کرتا ہے، درحقیقت وہ ان سے محبت نہیں کرتا بلکہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے غضب کے حوالے کرتا ہے لیکن اس کو اپنے اس رویہ کے نتائج کا شعور نہیں ہوتا۔

نفرت اور محبت کے حالات میں صحیح رویہ کیا ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الطلاق اور سورۃ التحریم میں راہنمائی فرمائی ہے اور دونوں طرح کے حالات کے اندر اہل ایمان کے لیے صحیح رویہ کے حدود معین کر دیے ہیں تا کہ کسی بے اعتدالی کی گنجائش نہ رہے۔ سورۃ الطلاق میں بتایا ہے کہ بیوی سے اگر کسی سبب سے نفرت پیدا ہو جائے تو اس کے معاملہ میں کس طرح حدود الٰہی کی پابندی کا اہتمام ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ

رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝ (الطلاق ۱:۶۵)

"اے نبی تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت کے حساب سے طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو۔ ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا آنکہ وہ کسی کھلی ہوئی بدکاری کی مرتکب ہوں۔ اور یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے حدود ہیں اور جو اللہ کے حدود سے تجاوز کریں گے تو انہوں نے اپنی ہی جان پر ظلم ڈھایا۔ تم نہیں جانتے شاید اللہ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے۔"

جاہلیت میں عام طریقہ یہ رہا ہے کہ جس کو بیوی پر کسی سبب سے غصہ آیا وہ نتائج و عواقب کا لحاظ کیے بغیر ایک ہی سانس میں تین ہی نہیں بلکہ ہزاروں طلاقیں دے دیتا اور ساتھ ہی اس کو گھر سے باہر بھی نکال دیتا کہ جب طلاق دے چھوڑی تو اب گھر میں اس کی ایک روٹی کا بھی خرچ کیوں برداشت کرے۔ موجودہ دور میں بھی کچھ لوگوں کا رویہ یہ ہے کہ وہ عورت کے ساتھ اس کے بچوں کو بھی نکال دیتے ہیں یا بڑی بیدردی سے اس سے چھین لیتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں نہ صرف عورت پر ظلم ہوتا ہے بلکہ معصوم بچوں کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے اور انہیں ناکردہ گناہوں پر ناحق سزا ملتی ہے۔ اس طرح طلاق دینے میں عورت، مرد بلکہ پورے کنبہ کے لیے یہاں تک کہ اس بچہ کے لیے بھی جو عورت کے پیٹ میں بصورت حمل ہو سکتا ہے بہت ساری مضرتیں ہیں۔ انہی مضرتوں کو پیش نظر رکھ کر یہ ہدایت فرمائی کہ غصہ اور نفرت کے جوش میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کے ہوئے حدود و قیود کو نہ بھولو اور اپنے پروردگار، اللہ سے ڈرتے رہو۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

فرمایا کہ اگر طلاق دینے کی نوبت آجائے تو عدت کے حساب سے طلاق دو اور اس کی عدت کو اہتمام سے شمار کرو اور ان کو عدت کے دوران ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ یہ فرمایا کہ "ان کے گھروں سے ان کو نہ نکالو" اس سے معلوم ہوا کہ جب تک عدت ختم نہ ہو اس وقت تک تمہارا گھر صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ ان کا بھی ہے اس لیے تم ان کو نکالنے کے مجاز نہیں۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ (البقرہ ۲۲۹:۲) جس سے معلوم ہوا کہ یہ جائز نہیں کہ تین یا تین سے زائد طلاقیں دے کر بیوی کو

نکال دے بلکہ دو طہروں کے اندر طلاق دے پھر تیسرے طہر میں اگر چاہے تو مراجعت کر لے دستور کے مطابق اگر بیوی کو رکھنا مقصود ہو ورنہ حسن سلوک کے ساتھ اس کو رخصت کر دے۔ اگر آخری فیصلہ قطع تعلق ہی کا ہوتا ہے تو نہایت احسن طریقہ سے سرانجام پائے۔

عورتوں کو بھی ہدایت فرمائی ہے کہ ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ غصہ اور ناراضگی میں برہم ہو کر گھر سے نکل کھڑی ہوں۔ یہاں نکلنے سے مراد وہ نکلنا مراد نہیں جو معمول کے مطابق اپنی چھوٹی موٹی ضروریات کے لیے ہوا کرتا ہے بلکہ وہ نکلنا ہے جو کسی گھر کو خیر باد کہنے کے معنی میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ طلاق کے بارے میں جو ہدایات تمہیں دی جارہی ہیں اور جس رویہ کا تم سے مطالبہ کیا جارہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدیں ہیں۔ جو شخص ان حدود سے تجاوز کرنے کی جسارت کرے گا وہ یاد رکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑے گا بلکہ وہ اپنی ہی جان پر ظلم ڈھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو حدود و قیود اپنے بندوں پر عائد کیے ہیں تو وہ بندوں ہی کی بھلائی کے لیے عائد کیے ہیں۔ جو لوگ ان کو توڑتے ہیں وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں اور اپنے ہی مصالح برباد کرتے ہیں۔ اس آیہ کریمہ کے آخر میں فرمایا کہ تم نہیں جانتے شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے۔ عدت کے دوران عورت کا گھر میں رہنا بہت سی مصلحتوں کا حامل ہے۔ حدود اللہ کا لحاظ رکھا جائے تو بہت امکان ہے کہ ایک ہی گھر میں رہنے سے میاں بیوی کے اندر اپنے رویہ کا جائزہ لینے کا احساس ابھرے اور ان کے پھٹے ہوئے دل دوبارہ جڑ جائیں اور ان کا اجڑتا ہوا گھر پھر آباد ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت پسند ہے۔

سورۃ الطلاق میں طلاق سے متعلقہ احکام تفصیل سے دیے گئے ہیں۔ یہاں ان سب کا بیان کرنا مقصود نہیں۔ طلاق کا معاملہ انسان کی زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں سے ایک ہے اور یہ لازمی نہیں کہ یہ ہر کسی کو پیش آئے۔ اس سورہ میں اس بات کی طرف راہ نمائی فرمائی گئی ہے کہ جن معاملات میں نفرت کا جذبہ شامل ہو ان میں مسلمانوں کے لیے صحیح رویہ کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی قائم کئے ہوئے حدود کی پابندی ہر شخص پر واجب ہے اور حدود الٰہی سے تجاوز اور شریعت سے انحراف کا نتیجہ آخرت کی نامرادی ہے۔

جس طرح نفرت کے حالات میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود کی پابندی واجب ہے اسی طرح محبت کے حالات میں بھی ان حدود کی پابندی لازم ہے۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گرفت فرمائی کہ آپ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کی دل داری کے لیے

اپنے اوپر ایک ایسی چیز حرام کیوں کر لی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جائز کی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (التحریم ۶۶:۱)

"اے نبی تم اپنی بیویوں کی دل داری میں وہ چیز کیوں حرام ٹھہراتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جائز کی ہے! اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہراتؓ کی دل داری میں اپنے اوپر کیا چیز حرام کر لی؟ اس کے متعلق مشہور روایت یہ ہے کہ آپؐ نے ایک مرتبہ ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس شہد نوش فرمایا۔ امہات المومنینؓ میں سے بعض کو وہ شہد پسند نہیں تھا چنانچہ انہوں نے اپنی اس ناگواری کا اظہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نہایت لطیف المذاق اور دوسروں بالخصوص جنس ضعیف کے جذبات کا بڑا پاس و لحاظ رکھنے والے تھے اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد کر لیا کہ اب کبھی شہد نوش نہیں فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیغمبرؑ اور ان کی ازواج مطہراتؓ سے بڑھ کر کون محبوب ہو سکتا ہے مگر اس کے باوجود آپؐ کی ایک معمولی سے فروگزاشت پر جو خود قرآن مجید کے بیان کے مطابق، ایک نہایت نیک محرک سے، صادر ہوئی اس پر آپؐ کو تنبیہ فرمائی گئی تا کہ ہر شخص کے سامنے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود و قیود سے جب پیغمبرؑ اور آپؐ کی ازواج مطہراتؓ بھی بالا نہیں تو دوسروں کی کیا حیثیت ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کا محرک نہایت نیک تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض جذبۂ رأفت و محبت کے تحت، خاص اپنی ذات کے لیے ایک فیصلہ فرما دیا تھا۔ امت کے لیے کسی چیز کو حرام کرنا مقصود نہیں تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے گرفت کے ساتھ ہی اس فروگذاشت کی معافی کا اعلان بھی فرمایا کہ اللہ غفور رحیم ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے جو فروگذاشت ہوتی ہے وہ بجانب نفس نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات کسی خیر کی پاسداری میں بجانب حق وہ حد مطلوب سے متجاوز ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو روک دیتا ہے۔

پیغمبر کا ہر قول و فعل دین میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا ہر عمل امت کے لیے مثال و نمونہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی ذوق و رجحان اور اپنے محبوب سے محبوب لوگوں کی خاطر سے ایسی بات کہے یا کرے جو بال برابر بھی اللہ تعالیٰ کی مقرر کیے ہوئے حدود سے متجاوز ہو ورنہ پوری امت

کے لیے ایک غلط مثال قائم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اگر مسلمانوں کے علم میں یہ بات آتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد نہ کھانے کا عہد کر لیا ہے تو کوئی متقی مسلمان مشکل ہی سے شہد کو ہاتھ لگاتا۔

سورۃ التحریم میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ محبت و مروت کے تعلقات ہوں ان کی پاسداری میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کیے ہوئے حدود و قیود کے بارے میں بے حسی، چشم پوشی اور رعایت جائز نہیں ہے بلکہ اس محبت ہی کا تقاضا ہے کہ ان کا احتساب زیادہ احتیاط سے ہوتا رہے تا کہ ان کی اصلاح ہو سکے۔

نفرت بڑھتی بڑھتی بعض اوقات دشمنی کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ قبیلے قبیلوں سے اور قومیں قوموں سے ٹکرا جاتی ہیں اور جنگ کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ ۸:۵)

''اے ایمان والو! عدل کے علم بردار بنو، اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو۔ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ، جو کچھ تم کرتے ہو، اس سے باخبر ہے۔''

'قسط' کا مفہوم وہی ہے جو ہم عام بول چال میں حق، عدل، انصاف وغیرہ کے لیے بولتے ہیں۔ اس کا ضد ظلم، جور اور اس کے معنی کے دوسرے الفاظ ہیں۔ فکر، عمل، قول، اخلاق، کردار، مظاہر اور اشکال غرض ظاہر و باطن کے ہر گوشے میں ایک نقطہ تو وہ ہے جو ہر چیز کے خالق و فاطر کی بنائی ہوئی فطرت اور اس کے مقرر کیے ہوئے حدود و قیود کے اندر ہے۔ اگر کسی گوشے میں اس نقطہ سے شوشہ بھر بھی انحراف ہو جائے تو یہ بات عدل و قسط کے منافی ہے۔ اس آیہ کریمہ میں 'قسط' سے مراد حق و عدل کی وہ میزان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی شکل میں عطا فرمائی ہے۔ اہل ایمان کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ عدل کے علم بردار بنو۔ اب تمہارا ہر قول و فعل اسی باٹ اور ترازو سے تولا ہوا ہو اور تم اسی پر قائم رہنے والے اور قائم کرنے والے بنو۔ چنانچہ مسلمانوں پر

بحیثیت امت مسلمہ یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس حق و عدل کے علم بردار بنیں جو آخری شریعت کی شکل میں ان کو عطا ہوا ہے۔ خود اپنے اندر اس کو قائم کریں اور اسی کی شہادت دنیا کے سامنے دیں۔ مسلمانوں کو اس راہ میں سب سے بڑے فتنے سے بھی آگاہ کر دیا کہ کسی قوم کی دشمنی اور اس کا غلط سے غلط رویہ بھی انہیں حق و عدل سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ شیطان نے راہ حق سے گمراہ کرنے میں سب سے زیادہ جس حربے سے کام لیا وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی کا حربہ ہے اس لیے مسلمانوں سے یہ عہد لیا گیا کہ وہ شیطان کے اس فتنہ سے بچ کے رہیں۔ دوستوں اور دشمنوں دونوں کے لیے ایک ہی باٹ اور ایک ہی ترازو ہو۔

قرآن حکیم یہی تعلیم دیتا ہے کہ نفرت، دشمنی اور محبت کے حالات میں اہل ایمان کے لیے صحیح رویہ یہ ہے کہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی حق و عدل کا دامن ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹے اور وہ اپنے ہر قول، فعل اور عمل میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود و قیود سے تجاوز نہ کریں۔ **اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔**

تدبر قرآن

مولانا حمید الدین فراہیؒ

ترجمہ: ڈاکٹر عبید اللہ فراہی

تفسیر سورہ بقرہ

.........۱۵.........

۲۱۔ختم قلوب انسان کے اعمال کا نتیجہ

اللہ تعالیٰ نے قلب کے احوال کو اس کے عمل اور ارادہ کے لیے سبب بنایا ہے یعنی جس طرح کے اس کے احوال ہوتے ہیں اسی طرح کے اعمال اور ارادہ کا ان سے صدور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں پوری طرح واضح کر دیا ہے کہ قلب کے اندر بگاڑ برائیوں سے پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس حال کو پہنچ جاتا ہے کہ اس پر نہ تو کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے اور نہ کسی طرح کا ذرا سا پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس مریض کی ہے جس کے شفا پانے کی کوئی امید باقی نہ ہو بلکہ اس کا حال اس شخص جیسا ہے جو زہر پی کر موت کے منہ میں چلا جائے اور طبیب اس کے علاج سے معذور اور بے بس ہو۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں برائیوں کے ارتکاب سے آگاہ اور خبردار کیا ہے اور توبہ کے لیے عجلت سے کام لینے اور ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنے پر زور دیا ہے جو اس کی یاددہانیوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ چنانچہ کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ برابر گناہوں کا ارتکاب کرتا رہے اور یا کفر پر قائم رہے اور خود کو اس خوش گمانی میں مبتلا رکھے کہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے بعد جب چاہے گا توبہ کر لے گا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ

عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ۖ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ۝ (الاعراف ۷: ۱۰۰-۱۰۲)

"کیا سبق نہیں ملا ان کو جو ملک کے وارث بنے ہیں اس کے اگلے باشندوں کے بعد اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیں اور ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیں تو وہ سننے سمجھنے سے رہ جائیں (یہ صراحت ہے اس امر کی کہ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے جو ٹھپہ لگایا ہے وہ ان کے گناہوں کے سبب سے ہے۔ اس سے زیادہ صریح بیان اور کون سا ہو سکتا ہے؟) یہ بستیاں ہیں جن کی سرگزشتوں کا کچھ حصہ ہم تم کو سنا رہے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ ایمان لانے والے نہ بنے بوجہ اس کے کہ وہ پہلے سے جھٹلاتے آ رہے تھے، اسی طرح اللہ ٹھپہ لگا دیتا ہے کافروں کے دلوں پر۔ اور ہم نے ان میں اکثر کو عہد کا پاسدار نہیں پایا۔ ان میں زیادہ تر ہم نے فاسق ہی پائے۔"

یعنی وہ عہد کو توڑتے اور فسق کا ارتکاب کرتے رہے اور ان واضح آیتوں اور کھلی ہوئی دلیلوں کا انہوں نے انکار کیا جو ان کے پاس آئی تھیں۔ اسی لیے وہ بعد میں بھی ایمان لانے کی توفیق نہ پا سکے کہ پہلے جھٹلا چکے تھے۔ یہ اس بات کی تصریح ہے کہ ان کے برے افعال نے خود سنت الٰہی کو دعوت دی کہ ان کے اوپر نافذ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق ان کے دلوں پر مہر ثبت کر دی۔ اسی طرح کی بات اس آیت میں آئی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ۝ (یونس ۱۰: ۷۴)

"پھر ہم نے اس کے بعد (یعنی نوح کے بعد) رسول بھیجے ان کی اپنی قوموں کی طرف، سو وہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے لیکن وہ اس چیز پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے، ہم اسی طرح مہر لگا دیا کرتے ہیں حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر۔"

یعنی اپنے پیغمبروں کو جھٹلانے میں وہ تمام حدوں کو پار کر گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا

دی جس کے بعد ان کے لیے ایمان لانا سرے سے ممکن ہی نہیں رہا۔

۲۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ (یونس ۱۰: ۳۳)

''اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر پوری ہو چکی ہے جنہوں نے نافرمانی اختیار کی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

یہاں واضح طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی ہے ان کے متعلق تیرے رب کا فیصلہ پورا ہو چکا ہے کہ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

۳۔ اسی کے مشابہ یہ آیت بھی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ وَ لَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ

(یونس ۱۰: ۹۶۔۹۷)

''بے شک جن لوگوں پر تیرے رب کی بات پوری ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے خواہ ان کے پاس ساری ہی نشانیاں آ جائیں۔''

منافقین کے ذکر میں آیا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ۝ (منافقون ۶۳: ۳)

''یہ اس سبب سے ہے کہ یہ پہلے ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا تو ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا گیا پس یہ سمجھنے سے عاری ہو گئے۔''

یعنی حق کے واضح ہو جانے اور ایمان لانے کے بعد انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا تو ان کے دل سخت اور اندھے ہو گئے۔

یہود کے متعلق فرمایا ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا۝ (النساء ۴: ۱۵۵)

''پس بوجہ اس کے کہ انہوں نے اپنے عہد کو توڑا اللہ کی آیات کا انکار کیا، انبیاء کو ناحق قتل کیا اور کہا کہ ہمارے قلوب بند ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کے کفر کی وجہ

سے مہر لگا دی ہے پس وہ شاذ و نادر ہی ایمان لانے والے ہیں۔''

اس مفہوم کی آیت ہے:

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ۝

(البقرۃ ۲: ۸۸)

''اور انہوں نے کہا کہ ہمارے قلوب تو بند ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت بھیج دی ہے۔ سو وہ شاذ و نادر ہی ایمان لائیں گے۔''

انہوں نے یہ خیال بنا لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پیدائشی طور پر بند کر رکھا ہے اس لیے پیغمبر کی بات اس میں داخل نہیں ہو پاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بہانے بازی کو رد کر دیا اور یہ واضح فرما دیا کہ یہ ان کے کفر اور اس کے ان اثرات کا نتیجہ ہے جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی بتا دیا کہ ان کے دلوں پر جو ٹھپہ لگا دیا گیا وہ اللہ کی ایک لعنت ہے جو ان کے برے اعمال کے نتیجہ میں ان پر مسلط کر دی گئی ہے جیسا کہ اس کی صراحت دوسری جگہ ان الفاظ میں کر دی ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ (المائدہ ۵: ۱۳)

''پس اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے عہد کو توڑ دیا ہم نے ان پر لعنت بھیج دی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔''

اس کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے آئی ہیں۔ اور اسی طرح کی دوسری بہت سی آیات جو اسی باب سے تعلق رکھتی ہیں ان کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (الانعام ۶: ۱۴۴، القصص ۲۸: ۵۰، الاحقاف ۴۶: ۱۰)

''بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

نیز فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝ (المنافقون ۶۳: ۶)

''بے شک اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

اور ایک جگہ آیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ۝ (الزمر ۳۹: ۳)

''بے شک اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹے اور ناشکرے ہیں۔''

دوسری جگہ ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ (غافر ۴۰:۲۸)

''اللہ اس کو ہدایت نہ دے گا جو حد سے گزر جانے والا جھوٹا ہوگا۔''

اسی طرح کے اور نظائر بھی ہیں۔ مزید آگے آتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ''ختم'' اور ''غشاوۃ'' کا جو ذکر کیا ہے تو وہ خود ان کے اپنے کئے کی جزا اور کفر و انکار اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد اس سے مستقل اعراض کی حالت میں پڑے رہنے کی سزا ہے۔

یہ ان دونوں آیتوں کی تاویل ہے جس کو قرآن مجید نے متعدد مثالوں سے واضح کر دیا ہے۔ اسی کی ایک نظیر یہ آیت ہے:

يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝ (یٰس ۳۶:۱-۱۱)

''یہ سورہ یٰس ہے۔ شاہد ہے قرآن حکیم۔ بے شک تم خدا کے فرستادہ ہو۔ بالکل سیدھے راستہ پر۔ یہ خدائے عزیز و رحیم کا نازل کردہ ہے۔ تاکہ تم آگاہ کرو ان لوگوں کو جن کے اگلوں کو آگاہ نہیں کیا گیا پس وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بہتوں پر ہمارا فیصلہ پورا ہو چکا ہے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں پس ان کے سر اٹھے رہ گئے ہیں، ہم نے ان کے سامنے اور پیچھے سے ایک ایک روک کھڑی کر دی ہے اور اس طرح انہیں ڈھانک دیا ہے، پس ان کو بھائی نہیں دے رہا۔ ان کے لیے یکساں ہے

خواہ ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔ وہ ایمان نہیں لانے والے۔ تم تو بس ان ہی کو ڈرا سکتے ہو جو ذکر کی پیروی کرتے ہیں اور بن دیکھے خدا سے ڈرتے ہیں، پس ایسوں کو مغفرت اور باعزت اجر کی خوشخبری دے دو۔''

یہاں صراحت کر دی ہے کہ آپ ایک ایسی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں جو پہلے ہی سے غافل ہے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ نے تو اس کلام حکیم کی اتباع کی جسے تم نے ان کے سامنے پیش کیا اور اس سے ان کے دلوں میں خشیت الٰہی پیدا ہوئی۔ اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اس کی اتباع نہیں کی اور حالت غیب میں خدائے رحمٰن سے نہیں ڈرے تو وہ تمہارے انذار سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے ان پر تمہارے رب کی بات اور اس کا مبنی برحق فیصلہ پورا ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس نے ان کے دلوں کو بند کر دیا ہے اور ان پر دبیز پردے ڈال دیئے ہیں۔ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

برائیوں کے مانع ہدایت ہونے اور دلوں کے بگاڑ کا سبب قرار دینے کے سلسلہ میں جس سنت الٰہی کا ہم نے یہاں پر ذکر کیا ہے وہی ان دونوں آیتوں کی صاف سیدھی تاویل ہے۔ سلف نے بھی بلا اختلاف اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ابن جریر نے اعمشؒ سے روایت کی ہے جنہوں نے فرمایا کہ حضرت مجاہدؒ نے ہم کو اپنے ہاتھ سے دکھا کر بتایا کہ صحابہ کرامؓ مظاہرہ کر کے بتاتے تھے کہ دل اس طرح یعنی ہتھیلی کے مانند ہوتا ہے جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو دل کچھ سکڑ جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی چھوٹی انگلی کو موڑ کر بتایا کہ اس طرح، اور جب وہ مزید گناہ کرتا ہے تو دل اور سکڑ جاتا ہے، انہوں نے دوسری انگلی موڑ کر بتایا، پھر جب اور گناہ کرتا ہے تو دل اور

تذکرہ

منکرین کو ہدایت نہ دینے اور ان کے دلوں پر مہر کر دینے کے سلسلہ میں سنت الٰہی

بعض دفعہ لوگ کسی مصیبت کے نازل ہونے یا کسی فائدہ کے لالچ میں محض زبان سے ایمان لاتے ہیں۔ اس وقت عذاب تو ان کے اوپر سے ٹل جاتا ہے لیکن اصل معاملہ جو کہ ہدایت کا ہے بندہی رہتا ہے اسے نہیں کھولا جاتا، اسی وجہ سے حضرت موسیٰؑ نے دعا فرمائی کہ ﴿وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ (یونس ۱۰:۸۸)'' اور ان کے دلوں پر گرہ باندھ دے کہ وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔''

بھی سکڑتا ہے۔ انہوں نے تیسری انگلی موڑ کر دکھایا کہ اس طرح یہاں تک کہ انہوں نے اپنی تمام انگلیوں کو موڑ کر بند کرلیا۔ فرمایا کہ پھر اس پر ایک مہر لگادی جاتی ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ اسی چیز کو "رین" (برائیوں سے زنگ آلود ہوجانا) بتاتے تھے۔ (تفسیر طبری ۱:۲۵۸-۲۵۹)

نیز ابن جریج سے روایت ہے، انہوں نے کہا: حضرت مجاہدؒ فرماتے تھے کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ گناہوں کا سایہ دل پر کچھ اس طرح پڑتا ہے کہ اس کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے، یہاں تک کہ اس پر پوری طرح چھا جاتا ہے۔ دل پر اس کے چھا جانے کا مطلب طبع کردینا ہے اور طبع کے معنی ٹھپہ لگا دینے یا مہر کر دینے کے ہیں۔ (تفسیر طبری ۱:۲۵۸-۲۵۹)

ظاہر ہے کہ "ذلک الرین" کا اشارہ آیت ذیل کی طرف ہے:

كَلَّا بَلْ ٜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ (مطففین ۸۳:۱۴)

سورہ کے شروع میں یہ بات کہی گئی ہے کہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے چنانچہ جس طرح وہاں ہدایت کے باب میں اللہ تعالیٰ کی سنت بتائی گئی ہے کہ وہ متقین کے ساتھ وابستہ ہے اسی طرح یہاں ہدایت کو غیر متقین پر بند کردینے کے سلسلہ میں سنت الٰہی بیان ہوئی ہے جیسا کہ سورہ یٰس کی ابتدائی آیات کے ضمن میں ہم نے ابھی اوپر اس کا ذکر کیا ہے۔

نظم کلام

ان دونوں آیتوں میں کفر کرنے والوں اور جو ایمان نہیں لائیں گے ان کے درمیان، پھر کفر کرنے والوں اور ان کے دلوں پر مہر کردینے کے درمیان وہی ربط ہے جو سبب کا مسبب سے ہوتا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کفران کے کتاب الٰہی پر ایمان نہ لانے کا سبب ہے اور ان کا کفران کے عدم ایمان کا سبب اسی وجہ سے بنا کہ اس نے ان کے قلوب پر مہر کرنے اور آنکھوں پر پردہ ڈالنے کی آفت مول لے لی اور جس طرح اس نے دنیا میں یہ آفت ان پر مسلط کی اسی طرح آخرت میں عذاب الیم کو ان پر مسلط کر دے گا۔ اسی قسم کا ہے جس قسم کا تقویٰ اور ہدی، اور ایمان و اعمال صالحہ اور فلاح و کامرانی کے درمیان ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۝ يُخٰدِعُوْنَ

اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۝ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۝ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ۝ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ۝ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۝ (البقرۃ ۲:۸-۱۶)

۲۲۔ الفاظ کی تشریح اور ترکیب

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ یعنی وہ کوشش کررہے ہیں کہ خدا کو دھوکا دے دیں۔ فرمایا ہے:

يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ (النساء ۴:۱۴۲)

یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ خدا کو دھوکا دے جائیں بلکہ ان کی دھوکا دہی ان ہی کے اوپر پلٹ کر آجائے گی۔ البتہ وہ اس کوشش میں ضرور ہیں کہ اللہ کو دھوکا دیں۔

﴿وَ مَا يَشْعُرُوْنَ﴾ یعنی وہ نہیں جانتے کہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ شعور دراصل اس چیز کے ادراک کو کہتے ہیں جس کو محسوس کیا جاتا ہے۔ آپ "شعرت زیدا عالما" نہیں بولتے۔

معلوم ہوا کہ یہ معاملہ ان کی اپنی ذات سے بہت قریب تھا لیکن شدت جہل سے ان کو اس کا شعور نہیں ہے۔

﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ عرب بغض وہوس کے لیے "داء القلب" (بیماری دل) کا لفظ بطور کنایہ استعمال کرتے تھے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ شک کے معنی میں بھی آیا ہے اور اسی بنیاد پر یقین کو شفا کہا گیا ہے۔

﴿اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ﴾ اس جملہ میں ان کے پاس جانے کی بات شامل ہے یعنی جب وہ ان۔۔ کے پاس جاتے ہیں اور تنہائی میں ان سے ملتے ہیں۔ "الی" کا صلہ اس تضمین کا قرینہ ہے مثلاً آپ کہتے ہیں قام الیہ اور مطلب ہوتا ہے: قام و مشی الیہ۔

﴿شَيٰطِيْنِهِمْ﴾ شیطان کا لفظ شاط یشیط سے فعلان کے وزن پر ہے جس کے معنی ہلاک ہونے کے

ہیں۔ اعشیٰ کا مصرعہ ہے:

وقد يشيط على ارماحنا البطل (دیوان الاعشیٰ:۹۹) ہمارے نیزوں سے بہادر اور سورما ہلاک ہوتے ہیں۔

شاط فلان کے معنی ہیں اس کا خون رائگاں گیا۔ نیز شاط کے معنی جلد بازی کرنے اور تیزی دکھانے کے ہیں۔ شاط الزیت کا مطلب ہے کہ تیل نے آگ پکڑ لی۔ غضب فلان فاستشاط کے معنی ہوں گے وہ غصہ میں آیا اور مشتعل ہو گیا۔

شیطان سانپ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

تلاعب مثنى حضرمي كانه
تعمج شيطان بذي خروع قفر

وہ (اونٹنی) حضرمی مہار سے کھیلتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی سانپ صحرا میں بل کھاتا ہوا چل رہا ہو۔ (دیوان طرفہ بن العبد:۱۵۸)

نیز اس کے معنی شریر جن کے بھی ہیں۔ سانپ اور جن میں ایک طرح کی مناسبت پائی جاتی ہے، اس وجہ سے کہ دونوں طبعاً ناری ہیں۔ یہیں سے سرکش آدمی کو شیطان کہا جانے لگا، ارشاد باری ہے:

﴿شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ﴾ (سورہ انعام ۶:۱۱۲)

''انسانوں اور جنوں کے اشرار''

جوہری کے نزدیک یہ لفظ شطن سے فیعال کے وزن پر ہے، جس کے معنی دور ہو جانے کے ہیں اور سیبویہ کبھی تو اس کو شاط سے فعلان کے وزن پر بتاتے ہیں اور کبھی شطن سے فیعال کے وزن پر۔ دونوں میں سے پہلی رائے صحیح ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ شیطان کا لفظ جب علم کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو غیر منصرف آتا ہے جیسا کہ اس شعر میں آیا ہے۔[1]

[1] مولانا کا اشارہ مشہور شاعر جاہلی طفیل غنوی کے اس شعر کی طرف معلوم ہوتا ہے:

وقد منت الخذواء منا عليهم
وشيطان اذا يدعوهم ويثوب

خذواء (گھوڑے کا نام ہے) نے ان پر احسان کیا اور اس کے مالک شیطان بن حکم نے جب کہ وہ انھیں آواز دے رہا تھا۔ یہاں ''شیطان'' سے مراد شیطان بن حکم بن جاہمہ الغنوی ہے، اور یہ غیر منصرف آیا ہے، ابن بری کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان بروزن فعلان ہے اور اس کی نون زائد ہے۔ دیکھیے لسان العرب (شطن)۔

﴿يَمُدُّهُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ اور طول پکڑ لیتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے:

وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (الاعراف ۷:۱۸۳، قلم ۶۸:۴۵)

''اور میں انہیں ڈھیل دیے جا رہا ہوں بے شک میری تدبیر نہایت محکم ہے۔''

اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (الانعام ۶:۱۱۰)

''اور ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا چھوڑ دیں گے۔''

اس کی مثالیں بہت ہیں۔

جوہری کہتے ہیں کہ ''مده في غيه'' کے معنی ہیں اس کو مہلت اور ڈھیل دے دی۔ (دیکھیے الصحاح (مدد) ابن جریر نے ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور دوسرے اصحابؓ رسولؐ سے روایت کی ہے کہ ''یمدهم'' بمعنی ''یملي لهم'' ہے۔ (تفسیر طبری ۱:۲۰۶-۲۰۷)

رہا زمخشری کا یہ قول کہ مدله کے معنی امهله کے ہیں اور مده بمعنی زاده ہے اور ان کا آیت ''ويمدونهم في الغي ثم لايقصرون'' سے استدلال کرنا (دیکھیے الکشاف:۱۸۸-۱۸۹) تو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کیوں کہ نزاع مده به میں ہے، اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے بھائی بند انہیں ایسا کر دیتے ہیں کہ وہ اپنی گمراہی کو گمراہی میں بڑھاتے جاتے ہیں۔ اس آیت میں آخر استدلال کا کون سا پہلو ہے جس سے ان کے خیال کی تائید ہو سکے؟

﴿يَعْمَهُوْنَ﴾ عمه باب سمع سے ہے، جس کے معنی ہیں ناواقفیت میں چلے جانا یہ نہ جانتے ہوئے کہ کدھر جا رہا ہے۔ رؤبہ کا شعر ہے:

ومهمه أطرافه في مهمه
اعمى الهدى بالجاهلين العمه

کتنے ناپیدا کنار صحرا جن میں ناواقف سرگرداں رہتے ہیں اور راہ نہیں پاتے۔ (دیوان رؤبہ من العجاج: ۱۶۶، لسان العرب (عمہ)

''ارض عمهاء'' ایسے علاقہ کے لیے بولا جاتا ہے جس کے پہچان کی کوئی علامت نہ ہو، عمه اور عمی دونوں کی اصل ایک ہے۔

من الناس خبر ہے جس کو مقدم کر دیا گیا ہے کیوں کہ فی الاصل وہ مخبر عنہ ہے جیسا کہ نظائر سے معلوم ہوتا ہے مثلاً فرمایا ہے:

﴿وَ فِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ﴾ (الرعد ۱۳: ۴)

''اور زمین میں پاس پاس کے قطعے ہیں۔''

ایک اور جگہ ہے:

﴿فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ﴾ (ھود ۱۱: ۱۰۵)

''پس ان میں کچھ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔''

دوسری جگہ ہے:

﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ (البقرۃ ۲: ۱۰ وغیرہ)

''ان کے دلوں میں روگ ہے۔''

اس کی مثالیں بہت ہیں۔ یہاں ''من'' کو بعض کے معنی میں لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگرچہ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہوگا، معنی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

(وما هم بمؤمنين) حال واقع ہوا ہے۔

(في طغيانهم) یہ ''یمدهم'' سے متعلق ہے جیسا کہ اس آیت میں ''في الغي'' کا لفظ اس سے متعلق ہے:

وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ۝ (الاعراف ۷: ۲۰۲)

''اور ان کے بھائی بندان کو گمراہی میں آگے بڑھاتے ہیں پھر کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔''

تاویل کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے بجائے ''یمدهم'' کے ''یعمهون'' سے متعلق مانا جائے جیسا کہ ذیل کی آیت میں ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝ (الحجر ۱۵: ۷۲)

''تیری جان کی قسم یہ لوگ اپنی سرمستی میں اندھے ہوئے ہیں۔''

لیکن پہلی تاویل زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کہ فعل ''مدفیہ'' کا استعمال عام ہے۔ دوسرے متعدی ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ سزاوار ہے کہ ''في طغيانهم'' کو اس سے متعلق کیا جائے۔ ایسی صورت میں

''یعمهون'' حال ہوگا۔ یعنی ان کا حال یہ ہے کہ بھٹکے پھر رہے ہیں اور جہالت اور اندھے پن کی حالت میں ادھر ادھر گھوم رہے ہیں۔

درس صحیح بخاری

۱۶ باب: اِثْمِ مَنْ خَاصَمَ فِی بَاطِلٍ وَهُوَ یَعْلَمُهٗ

باب: اس شخص کے گناہ کے بارے میں جو جانتے بوجھتے ناحق جھگڑتا ہے

۱۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِی اِبْرَاهِیْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِی عُرْوَةُ الزُّبَیْرِ اَنَّ بِنْتَ زَیْنَبَ اُمِّ سَلَمَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ اُمَّهَا اُمَّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ اَخْبَرَتْهَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ سَمِعَ خُصُوْمَةً بِبَابِ حُجْرَتِهٖ فَخَرَجَ اِلَیْهِمْ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ'' وَاِنَّهٗ یَاْتِیْنِی الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَنْ یَکُوْنَ اَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَاَحْسِبُ اَنَّهٗ صَدَقَ فَاَقْضِیَ لَهٗ بِذٰلِکَ، فَمَنْ قَضَیْتُ لَهٗ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَاِنَّمَا هِیَ قِطْعَةٌ'' مِنَ النَّارِ فَلْیَاْخُذْهَا اَوْ فَلْیَتْرُکْهَا۔

ترجمہ: زینب بنت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ان کی والدہ حضرت ام سلمہؓ نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ آپ کے حجرہ کے دروازے پر کچھ جھگڑا شروع ہو گیا ہے۔ آپ لوگوں کی طرف نکلے۔ آپ نے فرمایا کہ دیکھو میں ایک بشر ہوں، میرے پاس کوئی فریق مقدمہ آتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ فصیح و بلیغ ہو تو میں یہ گمان کر بیٹھوں کہ وہ سچ کہتا ہے اور اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ تو جس کے حق میں کسی مسلم کے حق میں سے فیصلہ کر دوں تو یاد رکھو کہ اگر وہ غلط ہے تو وہ

دوزخ کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ پس چاہے تو وہ لے لے یا چاہے تو چھوڑ دے۔

وضاحت:

آنحضرت ﷺ کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ میں غیب نہیں جانتا۔ بلکہ صورت واقعہ جس شکل میں پیش کی جاتی ہے اس کو سامنے رکھ کر فیصلہ دے دیتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اپنی طلاقت لسانی سے اپنے مقدمہ میں مجھے قائل کر کے بازی جیت لے اور اس طریقہ سے کسی کا حق مار بیٹھے۔ تو جو کچھ وہ لے رہا ہے وہ دوزخ کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ دیکھ لیا آپ نے پیغمبر ﷺ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ طلاقت لسانی سے مجھے دھوکہ دیا جا سکتا ہے اور میں غلط فیصلہ بھی کر سکتا ہوں تو جو شخص اس طرح کسی کا حق مار بیٹھتا ہے وہ اللہ کے ہاں خود ذمہ دار ہے۔ اس شخص کے لیے کوئی چیز اس لیے جائز نہیں ہو جائے گی کہ آنحضرت ﷺ کی عدالت سے اس کو ملی ہے۔ آنحضرت ﷺ بھی معاملات کا فیصلہ وحی کے ذریعہ نہیں بلکہ روداد مقدمہ پر کرتے تھے۔ یہ اس معاملہ میں اُمت کے تمام قاضیوں کے لیے اسوہ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اس طرح کے تمام معاملات میں غیبی رہنمائی حاصل رہی ہو۔ یہ بات بھی ہے کہ اس معاملہ میں اگر یہ بات آنحضرت ﷺ نے واضح نہ کر دی ہوتی تو آپ ہمارے قاضیوں کے لیے نمونہ نہیں ہو سکتے تھے۔ ہمارے قاضیوں کے لیے آپ نمونہ اس شکل میں ہیں کہ یہ معلوم ہے کہ آپ کے فیصلے بھی روداد مقدمہ پر مبنی ہوتے تھے۔

۱۷۔ باب: اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ

باب: اس بارے میں کہ جب جھگڑے تو بدزبانی کرتا ہے

۲۰۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ'' عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَیْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَرْبَعٌ'' مَنْ کُنَّ فِیْهِ کَانَ مُنَافِقًا اَوْ کَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ'' مِنْ اَرْبَعَةٍ کَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ'' مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَهَا: اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا چار باتیں ایسی ہیں جس کے اندر یہ ہوں گی وہ منافق ہے

یا آپ نے فرمایا کہ چار میں سے اگر ایک خصلت بھی ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، جب معاہدہ کرے تو بے وفائی کرے اور جب کسی سے کوئی جھگڑا ہو جائے تو گالم گلوچ پر اتر آئے۔

وضاحت:

ہر چند کہ روایت میں منافق کی خصلتوں کے بیان میں لفظ 'او' استعمال ہوا ہے۔ لیکن بات وہی ٹھیک ہے کہ جس میں ان چار باتوں میں ایک بات بھی ہے تو اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس خصلت سے باز آ جائے۔ یہ زیادہ منطقی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت پاکیزہ باتیں ہیں۔ نفاق کا مطلب یہ ہے کہ منافق اپنے آپ کو مومن کہے گا اور سمجھے گا لوگ بھی اس کو ایسا ہی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ مومن نہیں بلکہ مومن کا بھگل بنائے ہوئے ہے۔

ایک سچا مومن جھوٹ نہیں بولتا کیونکہ امت مسلمہ تو مبعوث ہی حق کی شہادت دینے کے لیے ہوئی ہے۔ وہ کسی سے وعدہ کر کے یا کوئی معاہدہ کر کے اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وعدے کی مسئولیت ہونے والی ہے۔ اسی طرح وہ مخالفت کے اظہار میں بھی حدود کا لحاظ رکھتا ہے اور آپے سے باہر ہو کر گالی یا کسی ناروا بات کا سہارا نہیں لیتا۔

۱۸۔ باب: قِصَاصِ الْمَظْلُوْمِ اِذَا وَجَدَ مالَ ظَالِمِهٖ وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ يُقَاصُّهٗ وَقَرَاْ: وَاِنْ عاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔

باب: اس بارے میں کہ کوئی مظلوم اگر کسی حق تلفی کرنے والے کا مال پا جائے تو بقدر اپنے مال کے قصاص لے سکتا ہے اور ابن سرین نے کہا کہ وہ اپنا حق برابر برابر لے سکتا ہے اور یہ آیت پڑھی کہ اگر تم قصاص لو تو اس کے بقدر لو جو تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی۔

وضاحت:

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی قصاص لے سکتا ہے لیکن اسی کے بقدر جتنا اس کا مال اس ظالم نے ہتھیایا تھا۔

یہ 'اسی کے بقدر' کا معاملہ بہت مشکل ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں تولنا سونے کے تولنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ تاہم شریعت کا حکم یہی ہے۔

۲۱۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ "مِسِّيكٌ"، فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ" اَنْ اُطْعِمَ مِنَ الَّذِي لَهٗ عِيَالَنَا فَقَالَ لَا حَرَجَ عَلَيْكِ اَنْ تُطْعِمِيهِمْ بِالْمَعْرُوْفِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ آئیں اور کہا کہ یارسول اللہ ابوسفیان بڑے کنجوس آدمی ہیں تو کیا اس میں کوئی قباحت ہے اگر میں ان کے مال میں سے کچھ ہمارے عیال پر بھی صرف کروں تو آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں اگر تم دستور کے مطابق خرچ کرو۔

وضاحت:

معروف اور دستور کے مطابق ہونے کا تعلق کسی بات ترازو سے تو ہو نہیں سکتا۔ جب ہر عاقل یہ کہے کہ ہاں اتنا تو لینا چاہیے تو یہ معروف کے مطابق ہوگا۔ بیوی اپنے بخیل شوہر کے مال میں سے اتنا لے لے جتنا اس کا حق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علی ھذا القیاس عیال پر بھی خرچ کے لیے لے سکتی ہے۔ مسیک کا لفظ روایت میں ہے یعنی کنجوس مکھی چوس تو آپؐ نے فرمایا کہ ہاں بیوی دستور کے مطابق شوہر کے مال میں سے لے سکتی ہے۔ باب جو باندھا ہے اس کو دیکھ لیجئے کہ بات بنتی ہے کہ نہیں، قصاص المظلوم اذا وجد مال ظالمه، کسی حق تلفی کرنے والے کا مال اگر کہیں پائے تو وہ اس میں سے لے سکتا ہے جہاں تک اس کا حق ہے۔ اس حد تک تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر اس کو زیادہ وسعت دے دی جائے تو بڑے جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ کا کسی کے ذمہ کچھ باقی ہے اور آپ خود ہی لے لیں تو بڑی مشکل پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس کے لیے قاضی کے ہاں چارہ جوئی کرنی پڑے گی۔ لیکن بیوی کا معاملہ اور ہے۔ اس کو عام کلیہ جاننے میں بڑے خطرے ہیں۔ احناف نے اس باب میں کہا ہے کہ اگر کسی نے کسی کا مال ظلماً لے لیا تو مال کے اصل مالک کو حق ہے کہ بعینہ اپنا مال یا اس کے برابر کوئی دوسرا مال لے سکتا ہو تو لے لے، وہ اس کے حق میں نہیں کہ ظالم کا جو مال بھی پائے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اپنا مال لینے میں بھی ظلم کا طریقہ نہ اختیار کرے۔ لیکن امام شافعی کی تعلیم یہ ہے

کہ ظالم کا جو مال بھی مل جائے لے لے۔ میرے رائے احناف کی رائے سے ذرا ترقی یافتہ ہے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ بیوی کا معاملہ الگ ہے اس کا شوہر کے مال میں حق ہے اور بچوں کا بھی حق ہے اور معروف کے مطابق بیوی کا شوہر کے مال میں سے لے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی دوسرے کا معاملہ ہے تو جہاں اس کا مال پائے جیسا کہ شوافع کہتے ہیں کہ لے لے، تو یہ غلط ہے۔ اس میں بڑے قضیے ہیں۔ فرض کر لیجیے کہ آپ نے کسی کے کھلیان سے گندم اٹھالی کہ انھوں نے میری اتنی گندم لی تھی تو ایک جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے۔ نزاع کی شکل جہاں پیدا ہو سکتی ہو وہاں عدالت سے رجوع کرنا چاہیے ورنہ فتنے پیدا ہوں گے۔

۲۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْنَا لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لَا يَقْرُونَا فَمَا تَرَى فِيهِ فَقَالَ لَنَا إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرَ لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ.

ترجمہ: عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ہم نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ حضور آپ ہمیں کسی مہم پر بھیجتے ہیں تو ہم کسی قبیلہ کے ہاں اترتے ہیں اور وہ میز بانی نہیں کرتے تو اس بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا تم کسی کے ہاں اترو اور وہ تمہاری اتنی مہمانی کریں جیسا کہ دستور ہے تو قبول کر لو ورنہ ان سے اپنی مہمانی کا حق وصول کر لو۔

وضاحت:

میرے نزدیک یہ عام حکم نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے مفتوحہ ملکوں میں کسی مقصد کے لیے مثلاً زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کے لیے جاتے تھے تو اس زمانے میں سرکاری طور پر میز بانی کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ یہی ایک طریقہ تھا کہ وہاں کے لوگ میز بانی کریں۔ اور کوئی شکل نہیں تھی۔ جب سرکاری انتظام ہو گیا تو اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام میں یہ حکم خاص اس وقت تک تھا جب تک مفتوحہ علاقوں میں سرکاری انتظام نہیں تھا۔ میرے نزدیک روایت ان قیود کے ساتھ ہے اور اس کے مقید کرنے کے دلائل ہیں۔ پوچھنے والے خود کہہ رہے ہیں کہ آپ ہمیں کسی کام پر یعنی سرکاری خدمت پر بھیجتے ہیں۔ روایت جس طریقہ سے نقل ہوئی ہے اس سے مغالطہ ہوتا ہے۔

۱۹۔ باب: ما جَاءَ فِي السَّقَائِفِ وَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ.

باب: چوہدریوں کے چوپالوں کے بارے میں کیا وارد ہے اور یہ کہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں بیٹھے۔

۲۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ" وَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ حِينَ تَوَفَّى اللّٰهُ نَبِيَّهُ ﷺ إِنَّ الْأَنْصَارَ اجْتَمَعُوا فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ فَقُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ انْطَلِقْ بِنَا فَجِئْنَاهُمْ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ

ترجمہ: ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کے واسطے سے خبر دی کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو وفات دی تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہو گئے تو میں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ بھی ہمیں لے چلیے تو وہ انہیں لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے۔

وضاحت:

راوی نے اس روایت کو مختصر کر کے بالکل بے معنی کر دیا ہے اور مطلب اس سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ کسی پنچایت کی جگہ پر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ واقعہ بہت اہم ہے کہ جب انصار وہاں جمع ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی حکومت بنانے کی باتیں کر رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور دوسرے لوگوں کے ہمراہ وہاں گئے۔ انصار عصبیت کے جذبہ کے تحت کبھی جوش میں تو آ جاتے تھے لیکن ایمان کی روشنی موجود تھی اس لیے فوراً اصلاح قبول کر لیتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کی اس میں حضورؐ کے ایک قول کا حوالہ دیا۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ آپ کے بعد حکومت کا معاملہ باعث نزاع ہو سکتا ہے تو آپ نے الائمة من القريش کہہ کر یہ واضح کر دیا تھا کہ حکومت بنانے کی پوزیشن میں اس وقت پارٹی قریش ہی ہے دوسرے نہیں۔ اس طرح حضور کے ارشاد کا حوالہ دے کر حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت جو ایک بہت بڑا قضیہ اٹھ سکتا تھا اس کو رفع کیا۔

۲۰۔ باب: لَا يَمْنَعُ جَارٌ" جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَهُ فِي جِدَارِهِ

باب: کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اس بات سے نہ روکے کہ وہ اپنی کھونٹی اس کی دیوار میں گاڑے

۲۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَمْنَعْ جَارٌ" جَارَهُ اَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِی جِدَارِهِ، ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْهُرَيْرَةَ مَالِی اَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ وَاللّٰهِ لَاَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ اَكْتَافِكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اس بات سے نہ روکے کہ وہ اپنے لکڑی اس کی دیوار میں گاڑے۔ یہ فرما کر حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ کیا ہو گیا ہے کہ تم لوگ میری باتوں سے اعراض کرتے ہو لیکن تمہارے اعراض کے باوجود اللہ کی قسم میں یہ باتیں تمہارے منہ پر پھینک کر جاؤں گا۔

وضاحت:

روایت کو اگر اسی معنی میں لیا جائے کہ کسی پڑوسی کو اپنی دیوار میں کوئی لکڑی، کوئی کھونٹی ٹھونکنے سے نہیں روک سکتے تو اس سے بڑے قضیے پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حدیث میں نہیں کا حکم نہیں ہے بلکہ خبر کے اسلوب میں نہی کو بیان کیا ہے اور اس اسلوب میں نہی کمزور ہو جاتی ہے، یعنی وہ وہ ایک مشورہ ہے کہ یہ کرنا چاہیے، قطعی حکم نہیں ہوتا۔ تو ایک ایسے معاملہ میں جب کہ مقابل میں دوسرا حکم موجود ہے کہ کسی کو کسی کی ملکیت میں اس کے اذن کے بغیر کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے تب یہ ہے کہ دونوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں گے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ پڑوسی کو روکا نہ جائے لیکن یہ بات قطعی ہوگی کہ بغیر اذن کے پڑوسی کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ کسی کے مکان یا زمین میں کھونٹیاں گاڑنا شروع کر دے۔ ان دونوں کے ملانے سے بات بنے گی۔ اس معاملہ میں شوافع کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم واجب ہے، ہر حالت میں وہ کھونٹی گاڑ لے۔ احناف کہتے ہیں کہ نہیں جب دوسری بات موجود ہے تو بغیر پوچھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ لوگوں کے اعراض کے علی الرغم تمام باتیں سنا کر جاؤں گا، معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں کثرت روایت پر کچھ لے دے ہوتی رہی ہے۔

۲۱۔ باب۔ صَبِّ الْخَمْرِ فِی الطَّرِيْقِ

باب: شراب گلیوں میں بہا دینے کے بارے میں

۲۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ" ابْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ اَبُوْ يَحْيٰی اَخْبَرَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ" عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ كُنْتُ سَاقِیَ الْقَوْمِ فِی مَنْزِلِ اَبِی طَلْحَةَ وَكَانَ خَمْرُهُمْ يَوْمَئِذٍ الْفَضِيْخَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُنَادِيًا يُنَادِی اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ قَالَ فَقَالَ لِی اَبُوطَلْحَةَ اُخْرُجْ فَاَهْرِقْهَا، فَخَرَجْتُ فَهَرَقْتُهَا فَجَرَتْ فِی سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ قَدْ قُتِلَ قَوْمٌ" وَهِیَ فِی بُطُوْنِهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ: لَيْسَ عَلَی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ" فِيْمَا طَعِمُوْا الْاٰيَةَ.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں ابوطلحہؓ کے مکان میں لوگوں کو شراب پلایا کرتا تھا اور اس زمانے میں ان لوگوں کی شراب فضیخ تھی۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دے کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ تو ابوطلحہ نے مجھے حکم دیا کہ نکلو اور شراب کو بہا دو۔ میں نکلا اور شراب کو بہا دیا۔ تو وہ مدینہ کی گلیوں میں بہہ نکلی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ان لوگوں کی ہلاکت ہوئی جن کے پیٹوں میں ان کی موت کے وقت شراب رہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے کوئی الزام نہیں ہے ان چیزوں کے کھانے کے بارے میں جو انہوں نے حکم حرمت سے پہلے کھائیں۔

وضاحت:

فضیخ کے معنی میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھجور سے بننے والی شراب ہے۔ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز بھی نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے، چاہے وہ کھجور سے بنی ہو یا جو سے بنی ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو مسکر ہے وہ حرام ہے۔

یہ غالباً سنہ 2ھ کا واقعہ ہے کہ کہ شراب کی حرمت کا اعلان ہوا تو ابوطلحہ نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ شراب گلیوں میں بہا دو۔ دین کا نفاذ اس طریقہ سے ہوتا ہے۔ بنیاد، عقائد اور معاشرہ میں جو ہونی چاہیے، وہ قائم ہو

جائے تو پھر جو حکم ہوا اس پر اس طرح سے عمل ہوتا ہے کہ اعلان ہوا تو فوراً پینے پلانے والے سب اس سے دست کش ہو گئے۔ اور اگر یوں یہ بے تکے طریقہ پر کام کیا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ شراب وغیرہ کا چسکا تو بہت خطرناک ہے، وہ چیزیں کہ جن میں کوئی مزاحمت نہیں ہوتی ان چیزوں کو بھی لوگوں سے منوانا ممکن نہیں ہے۔ لوگوں میں دین کا، رسالت کا، توحید کا شعور نہیں، قیامت کا عقیدہ نہیں اور ایسے میں آپ شریعت کے نفاذ کا جہاد شروع کریں گے تو واقعہ یہ ہے کہ آپ کو اس میں کامیابی نہیں ہوگی اور بالکل بے نتیجہ کام ہوگا۔ اس دور میں بنیاد قائم ہو چکی تھی تب آنحضرت ﷺ کا اعلان ہوا اور فوری عمل ہوا۔ اب آنحضرت ﷺ کے ساتھ بظاہر تعلق تو وہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ ایمان نہیں ہے اس لیے آپ کے احکام کی کیا وقعت پیدا ہو سکتی ہے اور کون قربانی دے سکتا ہے۔

نبی ﷺ نے حکم دیا تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ کے علاوہ دوسرے سب لوگوں نے بھی شراب بہا دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ پڑی۔ بعض لوگوں نے کہا وہ لوگ غارت ہوئے جن کی موت حرمت کے حکم سے پہلے ہوئی اور شراب ان کے پیٹوں میں رہی۔ ان لوگوں کو یہ مسئلہ نہیں معلوم تھا کہ کسی چیز کی حرمت سے پہلے اس کے کرنے میں کوئی الزام نہیں اور قرآن مجید کی اس آیت نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح اختیار کرنے والے ہیں ان پر ان چیزوں کے کھانے کے بارے میں کوئی گناہ نہیں ہے جو انہوں نے حکم حرمت سے پہلے کھائیں۔

اس حدیث میں کچھ قابل غور مسائل بھی ہیں۔ ابن حزم کا فتویٰ یہ ہے کہ شراب نجس نہیں ہے۔ اگر نجس ہوتی (بول و براز کی طرح) تو اس طریقہ سے بے تکلف گلیوں میں نہ بہائی جاتی۔ اس پر لوگوں نے بہت نکیر کی ہے کہ جب قرآن مجید میں ہے، انما الخمر والمیسر والانصاب والا زلام رجس من عمل الشیطن، تو ابن حزم نے کیا بے تکی بات کہہ دی کہ شراب نجس نہیں ہے۔ بظاہر تو لوگوں کا معارضہ قوی معلوم ہوتا ہے لیکن واقعہ ہے کہ قوی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "انما المشرکون نجس" بھی آیا ہے تو کیا اگر مشرک چھو جائے تو آپ کے کپڑے پاک نہیں رہیں گے یا کھانے پینے کی چیزوں کو ہاتھ لگا دے تو ناپاک ہو جائیں گی۔ تو یہ جاننا پڑے گا کہ ان چیزوں کی نجاست عقلی ہے، یعنی شراب کا پینا تو حرام ہے لیکن اگر وہ چھو جائے، لگ جائے تو یہ حرام کے حکم میں نہیں ہے۔ آج کل شراب الکوحل کی شکل میں تو بہت جگہ استعمال ہوتی ہے اس کے متعلق آپ کیا فتویٰ دیں گے۔ امام ابوحنیفہ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ صرف انگور سے بنی ہوئی شراب کو اصل شراب قرار دیتے ہیں تو اس طریقہ سے معاملہ اور بھی نازک ہو جاتا ہے۔ بہر حال اس معاملہ میں

امام ابوحنیفہ کا مذہب میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ میں تو ہر مسکر کو حرام سمجھتا ہوں چاہے وہ اعظم گڑھ کی تاڑی ہی کیوں نہ ہو اور اگر مسکر ہے تو اس کی قلیل اور کثیر سب مقدار حرام ہے۔ یہ بات اصول کے مطابق ہے۔

۲۲۔ اَفْنِيَةِ الدُّوْرِ وَالْجُلُوْسِ فِيْهَا وَالْجُلُوْسِ عَلَى الصُّعُدَاتِ وَقَالَتْ عَائِشَةُ فَابْتَنَى اَبُوْبَكْرٍ مَسْجِدًا بِفَنَاءِ دَارِهٖ يُصَلِّيْ فِيْهِ وَيَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ فَيَتَقَصَّفُ عَلَيْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَبْنَاؤُهُمْ يَعْجَبُوْنَ مِنْهُ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ.

باب: گھروں کے صحنوں، جلوخانوں اور رستوں پر بیٹھنے کے بارے میں۔

اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا لی تھی اس میں وہ نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور تعجب کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ ان دنوں مکہ ہی میں تھے۔

وضاحت:

یہ روایت جو یہاں باب کا حصہ بنا کر بطور تعلیق نقل کی ہے، پیچھے باب جوار ابی بکر فی عھد النبی ﷺ و عقدہ میں پوری تفصیل سے گزر چکی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ ہجرت کے ارادہ سے نکلے تھے۔ راستہ میں ابن الدغنہ ملا اور اس نے آپ کو روکا کہ آپ جیسا شخص ہجرت نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو مکہ میں پناہ دیتا ہوں۔ کفار قریش کو اس نے بتایا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اعتراض نہیں ہے لیکن وہ باہر کوئی دعوت کا کام نہ کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے گھر کے صحن میں مسجد بنالی اور وہاں نماز پڑھتے اور قرآن مجید پڑھتے۔ محلّے کی عورتیں اور بچوں کا گزر ہوتا تو جمع ہو جاتے اور تعجب سے قرآن سنتے۔ کفار بہت گھبرائے کہ یہ تو ہمارے عورتوں اور بچوں کو مسلمان بنالیں گے۔ انہوں نے ابن الدغنہ سے کہا کہ اپنی پناہ واپس لے لو۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر پناہ واپس کر دی کہ ایسی پناہ مجھے قبول نہیں جس میں نماز اور قرآن پر پابندی ہو۔

محدثین کا عجیب حال ہے کہ پبلک لا، میونسپل لاء، فوجی لا، زمینداری کا قانون سب ایک ہی لپیٹ میں

لے آتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مکانوں وغیرہ سے متعلق جو آداب ہیں ان کے متعلق میونسپل لاء لا رہے ہیں اور اچھا ہوتا کہ اس طرح کے تمام ابواب ایک سلسلہ میں کر دیے جاتے۔ امام مسلم ایک عام قدر مشترک لے کر ساری روایتیں اس کے تحت بیان کر دیتے ہیں۔ امام بخاری وہ بھی نہیں کرتے۔ قانون کی الگ الگ اصناف کے لیے الگ الگ تبویب ہو، یہ بات نہیں ہے۔ اس روایت کا تعلق بھی میونسپل لاء سے ہے۔

۲۶۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا اَبُو عُمَرَ حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَسَارٍ اَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ عَنْ عَلَى الطُّرُقَاتِ فَقَالُوا مَالَنَا بُدٌّ اِنَّمَا هِيَ مَجَالِسُنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا قَالَ فَاِذَا اَبَيْتُمْ اِلَّا الْمَجَالِسَ فَاَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهَا، قَالُوا وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ، قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الاذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَاَمْرٌ" بِالْمَعْرُوفِ، وَنَهْيٌ" عَنِ الْمُنْكَرِ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ راستوں پر بیٹھنے سے بچتے رہو تو لوگوں نے کہا اس سے مفر نہیں۔ یہی تو ہماری مجلسیں ہیں جن میں بیٹھ کر آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم راستوں پر بیٹھنا ضروری سمجھتے ہو تو راستہ کا حق ادا کرو۔ لوگوں نے پوچھا راستہ کا کیا حق ہے تو آپ نے فرمایا راستہ کا حق یہ ہے کہ نگاہ نیچی رکھو، تکلیف دہ چیزوں کو دور کرو، سلام کا جواب دو، نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

وضاحت:

اتنا اعلیٰ میونسپل لاء کیا دنیا میں کسی اور قوم کے پاس ہے؟ اول تو یہ کہ راستوں میں بیٹھو نہیں۔ لوگ راستہ کے کنارے بیٹھا کرتے تھے اور وہی ان کی چوپال ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ راستہ پر بیٹھنے کا حق یہ ہے کہ نگاہ نیچی رکھو یعنی عورتیں آ جا رہی ہیں تو ان کو مت گھورو۔ تکلیف دہ چیزوں کو راستہ سے دور کرو۔ خواہ یہ گندگی کی قسم کی ہو یا جھاڑ جھنکار پتھر وغیرہ۔ اور سلام کا جواب دو۔ اس زمانے میں تو کوئی سلام کرتا نہیں اور حکم سلام کا جواب دینے کا ہے۔ امر بالمعروف کوئی لمبے چوڑے وعظ کی ضرورت نہیں، چلتے پھرتے بھی نیکیوں کی ہدایت ہو سکتی ہے وہ کیجیے اور برائی دیکھیے تو اس سے منع کیجیے۔

۲۳۔ باب: الآبارِ عَلَى الطُّرُقِ اِذَا لَمْ يُتَاَذَّبِهَا

باب: راستے میں کنواں کھودنے کے بارے میں بشرطیکہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

وضاحت:

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عین راستہ کے بیچ میں آپ کنواں کھود دیں۔ بلکہ کنارے کنارے ہو۔ اس زمانے میں کچے کنویں ہوتے تھے اور اس میں اترنے کے لیے سیڑھیاں بنادی جاتی تھیں۔ یہ خدمت خلق کے لیے ہوتے تھے۔

۲۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى اَبِي بَكْرٍ عَنْ اَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ" بِطَرِيقٍ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ، فَاِذَا كَلْبٌ" يَلْهَثُ يَاْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَ مِنِّي، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَاَ خُفَّهُ مَاءً، فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ، قَالُوا يَارَسُولَ اللّٰهِ وَاِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَاَجْرًا، فَقَالَ فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ"۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایسا ہوا کہ ایک شخص کو راستہ میں پیاس لگی تو اس نے ایک کنواں دیکھا۔ وہ کنویں میں اترا اور اس نے پانی پیا۔ پھر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی شدت سے مٹی چاٹ رہا ہے۔ آدمی نے دل میں کہا اس کو بھی اسی طرح پیاس لگی ہے جیسی کہ مجھے لگی تھی تو وہ کنویں میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھرا اور لا کر کتے کو پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ نیکی قبول فرمائی اور اس کو بخش دیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ کیا بہائم کی خدمت میں بھی ہمارے لیے اجر ہے۔ آپ نے فرمایا ہر زندہ جگر کی خدمت میں اجر ہے۔

وضاحت:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے جگر دیا ہے اس کی تکلیف دور کرنے میں اجر ہے۔ اور کوئی معمولی اجر نہیں یہاں غفرلہ یعنی اس کی بخشش ہو جائے گی فرمایا ہے۔ اس حدیث کی وضاحت پیچھے ہو چکی ہے۔

اس میں یہ مسئلہ ہے کہ کیا چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر اتنے بڑے بڑے اجر مل سکتے ہیں۔ اس چیز پر لوگوں کو اعتراض ہے۔ محدثین کے ہاں اصول ہے کہ وہ روایت قبول نہیں کی جائے گی جس میں چھوٹے سے عمل پر اتنا بڑا اجر بیان ہوا ہو جو قرین قیاس نہ ہو۔ روایت پر جرح میں یہ چیز بھی شامل ہے۔ میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ اسلام میں اصول ہے کہ جس کی میزان بھاری ہوگی وہ جنت میں جائے گا اور جس کی میزان ہلکی رہی وہ دوزخی ہے، تو ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کا وہ چھوٹا سا عمل اس کی میزان کو بھاری کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا آدمی جو نیکی کر رہا ہے اس کی میزان تو موجود ہے لیکن نوعیت یہ ہے کہ ادھر یا ادھر دونوں طرف کے پلڑوں کے بھاری ہونے کا امکان ہے۔ بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ کمی پڑتی ہے تو صرف تولے ماشے کی کمی پڑتی ہے اور اگر وہ رکھ دیا جائے تو میزان برابر ہو جائے یا ممکن ہے کہ جھک بھی جائے تو اس طرح سے توجیہ ہو جاتی ہے۔ گویا اس چھوٹے سے عمل نے میزان کو بھاری کر دیا اور مغفرت کا باعث بنا۔

۲۴۔ باب: اِمَاطَةِ الاَذٰی، وَقَالَ هَمَّام" عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يُمِيطُ الاَذٰی عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ"

باب: راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کے بارے میں اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راستہ سے تکلیف دہ چیزیں ہٹانا صدقہ ہے۔

۲۵۔ باب: الغُرْفَةِ وَالعُلِيَّةِ المُشْرِفَةِ وَغَيْرِ المُشْرِفَةِ فِي السُّطُوحِ وَغَيْرِهَا

باب: چھتوں پر بالا خانے اور بلند و نابلند بالا خانے وغیرہ بنانے کے بارے میں

وضاحت:

یہ بھی میونسپل قوانین ہیں۔ یہ نہیں کہ یوں ہی مکان بنتے چلے جائیں۔ آج کل بھی اکثر کالونیوں میں پابندی رکھی جاتی ہے کہ دیواروں کے بیچ میں اتنا فاصلہ ہونا چاہیے وغیرہ تو اسلام نے ان چیزوں کے بارے میں بہت پہلے احکام دیے ہیں۔

۲۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَشْرَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى اُطُمٍ مِنْ آطَامِ الْمَدِينَةِ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا اَرٰى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ۔

ترجمہ: حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے بلند مکانوں میں سے کسی مکان میں جھانکا تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم وہ چیز دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ فتنے برس رہے ہیں تمہارے گھروں پر جس طریقہ سے کہ بارش برستی ہے۔

وضاحت:

یہ حدیث باب الفتن کی ہے لیکن امام صاحب اس کو الغُرْفَة وَالعُلِيَّة المُشْرِفَة میں لائے ہیں۔ اس میں صرف یہ بات ہوگی کہ غرفہ چھت پر بھی ہو سکتا ہے البتہ دوسروں کے مکان میں جھانکنے کی گنجائش نہ ہو اور غیر المشرفة فی السطوح سے مطلب یہ ہے کہ مکان کی چھت سے کچھ نیچے بھی ہو سکتا ہے یہ بھی فی الجملہ بلند ہوگا۔

آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ میں گھروں میں بلائیں اترنے کے مقاموں کو دیکھ رہا ہوں کہ بلائیں اس طرح اتر رہی ہیں جیسے بارش برستی ہے تو یہ نبی ﷺ کا مشاہدہ ہے جو کچھ وہ دیکھتے تھے وہ ہم نہیں دیکھ سکتے۔ ہماری آج کی بستیوں پر ہمیں کچھ نظر نہیں آتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ کیا کیا آفتیں برس رہی ہیں اور فتنے جاگ اٹھے ہیں۔ اگر دیکھنے والی آنکھ ہو تو شاید بتا سکے، ہمارے پاس وہ آنکھ نہیں ہے جو نبی ﷺ کے پاس تھی۔

درس مؤطا امام مالکؒ

باب: مَالاَ یُجْمَعُ بَیْنَهُ مِنَ النِّسَاءِ

باب: جن عورتوں کو ایک ساتھ جمع نہیں کیا جا سکتا

اسلام میں مردوں کو چار تک نکاح کی اجازت ہے۔ اجازت اور حکم میں بڑا فرق ہے۔ اجازت جن شرائط کے ساتھ جائز ہوتی ہے انہی شرائط کے ساتھ محدود ہوتی ہے۔ وہ کوئی حکم نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ وہ سنت پر عمل کر رہا ہے چاہے وہ حقوق و فرائض ادا کر سکے یا نہ کر سکے۔

۱۷۔ وحدثنی یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لاَ یُجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْاَةِ وَعَمَّتِهَا وَلاَ بَیْنَ الْمَرْاَةِ وَخَالَتِهَا وحدثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ یُنْهٰی اَنْ تُنْکَحَ الْمَرْاَةُ عَلٰی عَمَّتِهَا اَوْ عَلٰی خَالَتِهَا وَاَنْ یَطَاَ الرَّجُلُ وَلِیْدَةً وَفِی بَطْنِهَا جَنِیْنٌ لِغَیْرِهٖ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ بیک وقت اسی کی پھوپھی یا خالہ کو نکاح میں جمع نہ کرے۔ اور سعید بن المسیبؒ فتویٰ دیتے ہیں کہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کے اوپر نکاح نہیں ہو سکتا اور یہ بات بھی ہے کہ کوئی شخص اپنی لونڈی سے جب کہ اس کے پیٹ میں کسی اور کا حمل ہو، ملاقات نہیں کر سکتا۔

وضاحت:

کوئی شخص اپنے نکاح میں اپنی بیوی اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو جمع نہیں کر سکتا یعنی جن عورتوں کی مشابہت ماں اور بیٹی سے ہوگی ان کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔ یہ فطرت کا بھی تقاضا ہے۔ جو جذبات ماں کے لیے ہوتے ہیں وہی خالہ اور پھوپھی کے لیے بھی ہوتے ہیں۔ علت کا لحاظ رکھا جائے گا۔ علت کے معنی یہ ہیں کہ جس سبب یا نسبت سے نکاح حرام ہے، اگر اسی نوعیت کی نسبت پائی جاتی ہے تو سب حرمت کے حکم میں ہوں گی ان کو ایک ساتھ جمع نہیں کیا جا سکتا۔

سعید بن المسیبؒ کا فتویٰ اس اوپر والی روایت کے مطابق ہے۔ جہاں تک لونڈیوں کا مسئلہ ہے وہ تو ختم ہوا، اللہ کا شکر ہے۔ اس سسٹم کو ختم کرنے کے لیے اسلام نے سب سے پہلے قدم اٹھایا تھا جب کہ غلامی ساری دنیا میں بڑے مستحکم طور پر رائج تھی۔ افسوس ہے کہ لونڈی اور غلام کے سسٹم کو اسلام کا ایک حصہ سمجھ لیا گیا۔ لونڈی اور غلام کے سسٹم کو وقتی ضرورت کے تحت بڑی شرائط کے ساتھ اور بڑے قیود کے ساتھ جائز کیا گیا تھا مگر ہوا یہ کہ اس کو اسلامی نظام کا جزو سمجھ لیا گیا۔ اور آج تک اس کے مسئلے بیان ہوتے آ رہے ہیں حالانکہ اسلام نے تدریجی طور پر ختم کرنے کے لیے اسی وقت قانون مکاتبت بنا دیا تھا۔ اس پر ہم نے مفصل بحث سورۃ نور کی تفسیر میں کی ہے وہاں دیکھئے۔ اس کے علاوہ کفارہ ادا کرنے کے لیے لونڈی غلام کو آزاد کرنے کو اولیت دی اور اسے نیکی کا عمل قرار دیا۔

باب: مَالاَ یَجُوْزُ مِنْ نِکَاحِ الرَّجُلِ اُمَّ امْرَاَتِهٖ

باب: آدمی کی اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ نکاح ناجائز ہونے کے بارے میں

۱۸۔ حدثنی یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ اَنَّهٗ قَالَ سُئِلَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةً ثُمَّ فَارَقَهَا قَبْلَ اَنْ یُصِیْبَهَا هَلْ تَحِلُّ لَهٗ اُمُّهَا فَقَالَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ لاَ اَلْاُمُّ مُبْهَمَةٌ" لَیْسَ فِیْهَا شَرْطٌ" وَاِنَّمَا الشَّرْطُ فِی الرَّبَائِبِ۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے فتویٰ پوچھا گیا کہ ایک شخص جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس سے ملاقات سے پہلے اسے طلاق دے دی تو کیا اس کے لیے یہ بات جائز

ہوسکتی ہے کہ وہ اس عورت کی ماں سے نکاح کرلے؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں کیونکہ قرآن مجید میں ماں کا معاملہ مبہم ہے، اس کے بارے میں کوئی شرط نہیں ہے اور شرط جو ہے وہ ربائب کے بارے میں ہے۔

وضاحت:

حضرت زید بن ثابتؓ نے اپنے فتوے میں جو حوالہ دیا ہے وہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۲۳ کا حوالہ ہے۔ اس میں بیان ہے کہ وہ ربیبہ حرام ہے جس کی ماں کے ساتھ تمہارا زن وشو کا تعلق رہا ہے اور ماں کے بارے میں مطلق چھوڑ دیا ہے۔ ماؤں کے بارے میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس کی بیٹی کے ساتھ تمہارا زن وشو کا تعلق رہا ہے بلکہ مطلق ہے اس لیے ماں کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ یہ حضرت زید بن ثابتؓ کا فتویٰ ہے لیکن یہ بات مجھے کمزور سی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ربائب کے بارے میں حرمت کی علت یہی ہے کہ وہ تمہاری گود میں رہی ہیں ان ماؤں کے زیر سایہ کہ جن کے ساتھ تمہارے زن وشو کے تعلقات رہے ہیں۔ تو یہ علت اس معاملہ میں بھی پائی جاتی ہے اور علت جب یہی ہے اور لڑکی کے ساتھ تعلق نہیں قائم ہوا تو پھر لڑکی کی ماں کے ساتھ نکاح میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ علت دونوں جگہ ایک سی ہے۔ تمہاری ربائب کی ماؤں کے ساتھ تمہارے تعلقات قائم رہے ہیں تو ان ربائب سے تمہارا نکاح نہیں ہوسکتا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر ماں کے ساتھ تعلق قائم نہیں ہوا تو لڑکی کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے اور بیٹی کے ساتھ تعلق قائم نہیں ہوا تو ماں کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے اس لیے کہ حرمت کی علت تو زن وشو کا تعلق قائم ہونا ہے۔ جب علت وہاں موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ معاملہ مبہم ہے۔ مبہم کی وضاحت مفصل کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ تو مفصل یہ بات ہے کہ ربائب کے بارے میں کہہ دیا ہے کہ اگر تم نے ان کی ماؤں کے ساتھ تعلق زن وشو قائم کیا ہے تو نکاح جائز نہیں ہے اور اگر تعلق قائم نہیں کیا تو نکاح ربائب کے ساتھ جائز ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ تعلق نہیں ہوا تو اس کی ماں سے نکاح ہوسکتا ہے۔ کوئی حرج نہیں، علت تو یہی ہے اور کوئی علت نہیں ہے۔ کون سی رشتہ داری اور قرابت ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ اصول کہ وہ مبہم ہے تو مبہم کی وضاحت مفصل کی روشنی میں ہوجاتی ہے جو یہاں موجود ہے۔ مبہم کو مفصل کی روشنی میں لینا پڑے گا لیکن مجھے اپنے مسلک پر اصرار نہیں ہے اس لیے کہ ایسے واقعات شاذ ہیں۔ میرے عرض کرنے کا منشاء یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ کی دلیل مجھے کمزور معلوم ہوتی ہے۔

۱۹۔ وحدثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ غَیْرِ وَاحِدٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ مَسْعُودٍ اسْتُفْتِیَ وَھُوَ بِالْکُوفَۃِ عَنْ نِکَاحِ الْاُمِّ بَعْدَ الابْنَۃِ اِذَا لَمْ تَکُنِ الابْنَۃُ مُسَّتْ فَأَرْخَصَ فِی ذٰلِکَ، ثُمَّ اِنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ قَدِمَ الْمَدِینَۃَ فَسَأَلَ عَنْ ذٰلِکَ فَأُخْبِرَ اَنَّہُ لَیْسَ کما قَالَ وَاِنَّمَا الشَّرْطُ فِی الرَّبَائِبِ فَرَجَعَ ابْنُ مَسْعُودٍ اِلَی الْکُوفَۃِ فَلَمْ یَصِلْ اِلٰی مَنْزِلِہٖ حَتّٰی اَتَی الرَّجُلَ الَّذِی اَفْتَاہُ بِذٰلِکَ فَاَمَرَہُ اَنْ یُفَارِقَ امْرَاَتَہُ۔

ترجمہ: امام مالکؒ سے روایت ہے اور انہوں نے کئی ایک سے روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے فتویٰ پوچھا گیا جب کہ وہ کوفہ میں تھے کہ ماں سے نکاح بیٹی سے نکاح کے بعد جب کہ بیٹی سے زن وشو کا تعلق قائم نہیں ہوا (اور طلاق ہوگئی) جائز ہے یا نہیں تو انہوں نے اجازت دے دی (ماں سے نکاح اس صورت میں ہوسکتا ہے) پھر ابن مسعودؓ مدینہ آئے تو انہوں نے اس بارے میں پوچھا تو ان کو خبر دی گئی کہ ان کا فتویٰ ٹھیک نہیں ہے اور یہ شرط تو ربائب کے بارے میں ہے۔ تو ابن مسعودؓ کوفہ لوٹے تو وہ اپنے گھر بھی نہیں گئے بلکہ اس شخص کے پاس آئے جس کو فتویٰ دیا تھا اور کہا کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔

وضاحت:

دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس دوران میں اس شخص کے ہاں اولاد بھی ہوگئی تھی، اتنا وقت گزر چکا تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فقہ حنفی کی بنیاد ہیں، بالکل اسی طریقہ سے جس طریقہ سے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فقہ مالکیہ کی بنیاد ہیں۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا فتویٰ ٹھیک تھا لیکن وہ عمل اہل مدینہ سے متاثر ہوگئے۔ دیکھیے کہ روایت میں کوئی وضاحت نہیں ہے، کوئی دلیل نہیں ہے۔ مدینہ میں جا کر پوچھا تو انہوں نے کہا کہ نہیں تو وہ مان گئے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کوئی بچے تو نہیں تھے کہ انہوں نے سوچا کہ یہاں کے لوگوں کی رائے نہیں تو مان لو۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ تو حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی طرح خود امام ہیں لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمل اہل مدینہ کے ویسے ہی معتقد ہیں جیسے کہ مالکیہ ہیں اس لیے کہ جب ان کو بتایا گیا کہ صورت واقعہ یوں نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اہل مدینہ کا اس پر عمل نہیں۔ اور تو کوئی دلیل نہیں

ہے۔ ابن مسعودؓ گھبرائے ہوئے لوٹے کہ میں نے غلط فتویٰ دے دیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مالکیہ کا مذہب زیادہ قوی ہے اور عبداللہ ابن مسعودؓ جو فقہ حنفی کی اساس ہیں، وہ غلط کہتے ہیں۔ عبداللہ ابن مسعودؓ عمل اہل مدینہ کہہ کر ڈگ ڈال دیں تو اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ گھڑی ہوئی بات ہے۔ سوائے اس کے کہ عمل اہل مدینہ یہ نہیں ہے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اس سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ عمل اہل مدینہ سے ڈر گئے اور انہوں نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا لیکن کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ بات گھڑی ہوئی ہو؟ یہ شبہ بھی تو ہوتا ہے اس لیے کہ دلیل اس میں کوئی نہیں ہے۔ دلیل اس میں وہی ہے کہ یہ مبہم ہے لیکن یہ کوئی دلیل نہیں، مبہم ہے تو مفصل کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ دوسری جگہ یہ بھی ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ نے اپنے فتوے کو اس وقت واپس لیا جب کہ اس شخص کے ہاں اولاد بھی ہو چکی تھی۔ اب یہ کتنا بڑا جھگڑا پیدا ہوا۔ جب اولاد ہو گئی تب آپ نے طلاق دلوادی اور کسی نص کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک امر اجتہادی کی بنیاد پر۔ امر اجتہادی ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کی بناء پر خاندان کی بنیادیں ہلا دی جائیں۔ میرے نزدیک آج تک یہی ہے کہ اگر لڑکی کے ساتھ زن وشو کے تعلقات قائم نہیں ہوئے اور طلاق ہو گئی تو اس کی ماں سے نکاح ہو سکتا ہے جس طریقہ سے ربائب کے بارے میں ہے کہ اگر ان کی ماؤں کے ساتھ تعلقات قائم نہیں تو ان سے نکاح ہو سکتا ہے۔

یہ بھی ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کے بارے میں رقابت بھی پائی جاتی ہے۔ وہ فقہ حنفی کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں تو ان کو کسی معاملہ میں عمل اہل مدینہ کا قائل بنانا ایک بڑا مقصد ہو سکتا ہے کہ دیکھو انہوں نے قائل ہو کر اپنا دیا ہوا فتویٰ واپس لے لیا۔ اس میں میرا کہنا یہ ہے کہ ایک مشتبہ معاملہ ہے۔

قَالَ مَالِکٌ فِی الرَّجُلِ تَکُونُ تَحْتَهُ الْمَرْأَةُ ثُمَّ یَنْکِحُ أُمَّهَا فَیُصِیبُهَا إِنَّهَا تَحْرُمُ عَلَیْهِ امْرَأَتُهُ وَیُفَارِقُهُمَا جَمِیعًا وَیَحْرُمَانِ عَلَیْهِ أَبَدًا إِذَا کَانَ قَدْ أَصَابَ الْأُمَّ فَإِنْ لَمْ یُصِبِ الْأُمَّ لَمْ تَحْرُمْ عَلَیْهِ امْرَأَتُهُ وَفَارَقَ الْأُمَّ

ترجمہ: امام مالکؒ کہتے ہیں کہ وہ شخص جس کے نکاح میں کوئی عورت ہو پھر وہ اس عورت کی ماں سے نکاح کرے اور اس سے زن وشو کا تعلق بھی پیدا کر لے تو اس پر اس کی بیوی بھی حرام ہو جائے گی اور وہ دونوں کو چھوڑ دے گا اور وہ دونوں اس شخص پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائیں گی لیکن اگر اس نے اس کی ماں سے زن وشو کا تعلق قائم نہیں کیا ہے تو اس کی بیوی حرام نہیں ہو گی اور اس کو اس کی ماں کو چھوڑنا ہو گا۔

وضاحت:

یہ تو مالکیہ کا فتویٰ ہے لیکن ایسے مسائل دنیا میں بہت ہی شاذ ہوں گے لیکن یہ دنیا ہے عجیب جگہ، یہاں ہر طرح کے واقعات پیش آتے ہیں۔ فتویٰ اپنی جگہ ٹھیک ہے۔

وَقَالَ مَالِکٌ فِی الرَّجُلِ یَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ ثُمَّ یَنْکِحُ أُمَّهَا فَیُصِیبُهَا إِنَّهُ لَا تَحِلُّ لَهُ أُمُّهَا أَبَدًا وَلَا تَحِلُّ لِأَبِیهِ وَلَا لِابْنِهِ وَلَا تَحِلُّ لَهُ ابْنَتُهَا وَتَحْرُمُ عَلَیْهِ امْرَأَتُهُ

ترجمہ: امام مالکؒ کا فتویٰ اس شخص کے بارے میں جو ایک عورت سے نکاح کرے اور پھر وہ اس کی ماں سے نکاح کرے اور اس سے زن وشو کا تعلق بھی پیدا کر لے، یہ ہے کہ اس کے لیے اس کی ماں کبھی جائز نہیں ہو گی نہ اس کے باپ کے لیے نہ اس کے بیٹے کے لیے اور نہ اس کے لیے اس کی بیٹی جائز ہو گی اور اس کے اوپر اس کی بیوی بھی حرام ہو جائے گی۔

وضاحت:

یہ مالکیہ کے فتوے ہیں۔ ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَالَ مَالِکٌ" فَأَمَّا الزِّنَا فَإِنَّهُ لَا یُحَرِّمُ شَیْئًا مِنْ ذٰلِکَ لِأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی قَالَ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِکُمْ فَإِنَّمَا حَرَّمَ مَا کَانَ تَزْوِیجًا وَلَمْ یَذْکُرْ تَحْرِیمَ الزِّنَا فَکُلُّ تَزْوِیجٍ کَانَ عَلٰی وَجْهِ الْحَلَالِ یُصِیبُ صَاحِبُهُ امْرَأَتَهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ التَّزْوِیجِ الْحَلَالِ فَهٰذَا الَّذِی سَمِعْتُ وَالَّذِی عَلَیْهِ أَمْرُ النَّاسِ عِنْدَنَا۔

ترجمہ: امام مالکؒ کہتے ہیں کہ رہا زنا کا معاملہ تو وہ کسی چیز کو حرام نہیں کرتا۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام ہیں تو یہ حرمت تزویجی حرمت ہے (یعنی نکاح کی بنیاد پر ہے) اور زنا کی بنیاد پر حرمت کا ذکر نہیں فرمایا تو نکاح جو جائز طریقہ پر ہو گا اور اس کا صاحب اپنی بیوی سے زن وشو کا تعلق قائم کرے گا تو وہ بمنزلہ تزویج حلال کے ہے۔ پس یہی میں نے سنا ہے اور اسی پر ہمارے ہاں فتویٰ ہے۔

وضاحت:

مالکیہ کا یہ مسئلہ بہت خطرناک ہے یعنی یہ حرمتیں جو ہیں سب نکاح شرعی کی بنیاد پر ہوں گی۔ فرض کر لیجیے کہ ایک شخص کا ایک عورت سے ناجائز تعلق تھا۔ اس سے لڑکی بھی پیدا ہوئی اور اس لڑکی کے ساتھ اس شخص کا بیٹا تعلق پیدا کر لیتا ہے تو وہ جائز ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کی بنیاد پر حرمتیں کوئی نہیں۔ اس میں تو شبہ نہیں کہ قرآن مجید میں حلت وحرمت کا جو حکم ہے وہ نکاح ہی کی بنیاد پر ہے۔ ناجائز تعلقات کی بنیاد پر کوئی چیز نہیں ہو سکتی لیکن اس سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ جو مالکیہ نے نکالا ہے، بہت خطرناک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بڑی شرم انگیز بات ہے کہ ایک شخص کا ایک عورت کا ناجائز تعلق تھا، وہ مر گیا تو اس کے بعد اس کے صاحبزادے نے اس سے تعلق پیدا کر لیا، اس سے اولاد ہوئی اور انھی کے خاندان والوں نے اس سے تعلق قائم کر لیا۔ سب رشتے ناجائز۔ یہ سب حرام در حرام ہے، حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اب یہ جائز ہو گیا بلکہ یہ ہوگا کہ باپ نے حرام کام کیا تھا، بیٹے نے بھی کیا، پوتے نے بھی کر دیا۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہاں تک تو حرام تھا اب یہ جائز ہو گیا لیکن مالکیہ کے فتوے سے یہ گمان ہوتا ہے بلکہ اس کی شناعت پہلے سے بھی زیادہ ہے۔ مالکیہ کی یہ بات تو ٹھیک ہے کہ حلت وحرمت کا ضابطہ جو بنتا ہے وہ جائز رشتوں کی بنیاد پر ہے لیکن اس صورت حال کو کیا کہا جائے گا؟ یہ کہا جائے گا کہ حرام در حرام ہے۔

آخر میں امام مالکؒ کہتے ہیں کہ یہی میں نے سنا ہے اور اسی پر ہمارے ہاں فتویٰ ہے یعنی مدینہ میں۔ عمل اہل مدینہ فقہ مالکی کی بنیاد ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ان کی بنیاد مضبوط ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ زنا کا تعلق ہوگا تو حرام رہے گا۔ میری بھی یہی رائے ہے۔

بَاب: نِكَاحُ الرَّجُلِ أُمَّ امْرَأَةٍ قَدْ أَصَابَهَا عَلَى وَجْهِ مَا يُكْرَهُ

باب: کسی شخص کا نکاح کر لینا اس عورت کی ماں سے جس سے اس نے زن وشو کا تعلق پیدا کیا ہے کسی مکروہ طریقہ پر، تب کیا حکم ہوگا

۲۰۔ قَالَ مَالِک'' فِي الرَّجُلِ يَزْنِي بِالْمَرْأَةِ فَيُقَام عَلَيْهِ الحَدُّ فِيهَا إِنَّهُ يَنْكِحُ ابْنَتَهَا وَيَنْكِحُهَا ابْنُهُ إِنْ شَاءَ وَذٰلِكَ أَنَّهُ أَصَابَهَا حَرَامًا وَإِنَّمَا الَّذِي حَرَّمَ اللّٰهُ مَا أُصِيبَ بِالحَلَالِ أَوْ عَلَى وَجْهِ الشُّبْهَةِ بِالنِّكَاحِ. قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ قَالَ مَالِک'' فَلَوْ أَنَّ رَجُلاً نَكَحَ امْرَأَةً فِي عِدَّتِهَا نِكَاحًا حَلَالاً فَأَصَابَهَا حَرُمَتْ عَلَى ابْنِهِ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَذٰلِكَ أَنَّ أَبَاهُ نَكَحَهَا عَلَى وَجْهِ الحَلَالِ لَا يُقَامُ عَلَيْهِ فِيهِ الحدُّ وَيُلْحَقُ بِهِ الْوَلَدُ الَّذِي يُولَدُ فِيهِ بِأَبِيهِ وَكَما حَرُمَتْ عَلَى ابْنِهِ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا حِينَ تَزَوَّجَهَا أَبُوهُ فِي عِدَّتِهَا وَأَصَابَهَا فَكَذٰلِكَ تَحْرُمُ عَلَى الْأَبِ ابْنَتُهَا إِذَا هُوَ أَصَابَ أُمَّهَا.

ترجمہ: امام مالکؒ کا فتویٰ اس شخص کے بارے میں جو کسی عورت سے زنا کرتا ہے اور اس پر حد جاری کی جاتی ہے، یہ ہے کہ وہ اس عورت کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے اور اس شخص کا بیٹا بھی، اگر چاہے تو، اس عورت کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے۔ یہ اس لیے کہ اس شخص نے اس عورت سے حرام طریقہ سے ملاقات کی جبکہ اللہ تعالیٰ نے نکاح حرام کیا ہے اس ملاقات کی بنیاد پر جو حلال طریقہ سے ہو یا شبہ کی بنیاد پر نکاح کے ذریعہ سے ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں ان سے نکاح نہ کرو)۔ امام مالکؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک عورت سے اس کی عدت کے زمانے میں نکاح حلال کرے اور اس کے ساتھ زن وشو کا تعلق بھی قائم کر لے تو وہ حرام ہو جائے گی اس شخص کے بیٹے پر کہ وہ اس سے نکاح کرے۔ یہ اس لیے کہ اس کے باپ نے اس حلال طریقہ سے نکاح کیا۔ اس بارے میں اس پر حد جاری نہیں ہوگی اور اس سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ اسی کی قرار پائے گی۔ اور جس طرح وہ عورت حرام ہوگی بیٹے پر جس کے باپ نے عدت کے دوران اس سے نکاح کیا اور اس سے زن وشو کا تعلق پیدا کیا اسی طرح بیٹی حرام ہوگی باپ پر اگر اس کے بیٹے نے اس لڑکی کی ماں سے تعلق پیدا کیا۔

وضاحت:

امام مالکؒ کے یہ دو فتوے ہیں۔ پہلے فتوے میں یہ ہے کہ چونکہ اس شخص نے عورت سے نکاح نہیں کیا تھا، زنا کا مرتکب ہوا تھا، تو وہ اس عورت کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے اور اس کا بیٹا اگر چاہے تو اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ یہی چیز گھناؤنی ہے اور مجھے اس سے انقباض ہے۔ کہ اس نے جو تعلق پیدا کیا وہ حرام تھا۔ تعلق حرام

تھا تو اس سے حرام ہی پیدا ہو جائے تو کیا قباحت ہے۔ میرے نزدیک یہ بات کسی طریقہ سے ٹھیک نہیں ہے۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو باپ کی عورتوں کی اولاد پر حرام کیا ہے تو اس بنیاد پر کہ وہ حلال طریقہ سے نکاح کے ذریعہ سے ہوا یا کسی شبہ کی بنیاد پر نکاح کے ذریعہ سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نکاح نہ کرو ان عورتوں سے جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے۔ یہ نہیں کہ تمہارے باپوں نے جن سے اٹھکیلیاں کی ہیں، وہ مراد نہیں ہیں۔ زبان کے لحاظ سے تو اعتراض نہیں کر سکتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ کسی طریقہ سے صحیح نہیں ہے۔ قانونی طریقہ سے اس کو گرفت میں لائیے۔

باب: جَامِعُ مَالاَ يَجُوزُ مِنَ النِّكَاحِ

باب: نکاح میں جو باتیں جائز نہیں ان کے بارے میں جامع باب

۲۱۔ حدثنی یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ وَالشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلٰى أَنْ يُزَوِّجَهُ الْآخَرُ ابْنَتَهُ لَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ" وَحدثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمُجَمِّعٍ ابْنَیْ يَزِيدَ بْنِ جَارِيَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِدَامٍ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِکَ فَأَتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَرَدَّ نِكَاحَهُ۔

ترجمہ: نافعؒ حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے۔ نکاح شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی دوسرے سے بیاہ دے اس شرط پر کہ وہ اپنی بیٹی اس سے بیاہ دے گا اور دونوں میں مہر نہیں ہوگا۔ اور یزید بن جاریہ انصاری کے دونوں بیٹے خنساء بنت خدام انصاریہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا جبکہ وہ ثیب تھیں تو انہوں نے اسے ناپسند کیا چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کا کیا ہوا نکاح رد کر دیا۔

وضاحت:

شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کو کسی دوسرے سے بیاہ دے اس شرط پر کہ وہ اپنی بیٹی کو اس شخص سے بیاہ دے گا اور اس میں کوئی مہر نہیں ہوگا یا یہ کہ اپنی بہن کو یا جس عورت کا ولی ہے اس کو کسی دوسرے سے بیاہ دے اور دوسرے سے لڑکی بیاہ میں لے بغیر مہر کے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ یہ تو مولویانہ بات ہے کہ چونکہ دونوں کے درمیان مہر نہیں ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔ میرے نزدیک منع اس وجہ سے فرمایا کہ اس میں عورت کی آزادی بالکل ختم ہو جاتی ہے یعنی ایک گائے کے بدلے میں گائے یا ایک بکری کے بدلہ میں بکری کی طرح کا مبادلہ بن جاتا ہے حالانکہ لڑکی کی رائے شرط ہے۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ کنواری لڑکی کے بارے میں بھی شرط ہے کہ اس سے پوچھا جائے گا اور اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھا جائے گا لیکن اگر وہ بولے کہ نہیں تو اس کی بات مانی جائے گی۔ میرے نزدیک فتویٰ یہ ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک کنواری کو کوئی اختیار نہیں ہے البتہ ثیب کے بارے میں وہ یہ مانتے ہیں کہ اس سے پوچھا جائے گا اور اس کی بات مانی جائے گی۔ کنواری کے بارے میں وہ باپ کے اختیار کو مطلق مانتے ہیں۔ احناف لڑکی کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ شغار کی جو تعریف یہاں آئی ہے وہ کس کی بات ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہے یا نافعؒ کی ہے یا عبداللہ بن عمرؓ کی ہے۔ یہ سوال اس وجہ سے ہے کہ حدیثوں میں یہ طریقہ تو نہیں ہے کہ ہر چیز کی منطقی تعریف بھی کی جائے۔ اگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہے تب تو میری بات غلط ہو جاتی ہے لیکن شاید شرحوں میں ہے کہ یہ امام مالکؒ کا قول ہے۔ اگر یہ امام مالکؒ کا قول ہے تو روایت سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے تو میرا بھی قول ہے۔ میرے نزدیک اس کی حرمت کی علت یہی ہے کہ لڑکی کی حیثیت عرفی بالکل ختم ہو جاتی ہے اور زمانے کے لحاظ سے بھی دیکھیے کہ اس معاملہ میں احناف کا فتویٰ ہی حسن قبول حاصل کر سکتا ہے، دوسرے فتوے کو کوئی نہیں مانے گا۔ شغار کا یہ طریقہ جاہلیت میں تھا۔

وٹہ سٹہ شغار سے الگ معاملہ ہے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ مہر کے ساتھ باقاعدہ نکاح کریں۔ اپنی لڑکی دیں، اس کی لڑکی لیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ بات کہ اس صورت میں ایک آباد نہ ہو تو دوسری کو بھیج دیتے ہیں تو اس طرح کی باتیں از خود غلط ہیں ان کو زیادہ وسعت نہ دیں۔ اگر ایک شخص نے اپنی لڑکی دوسرے کے بیٹے سے بیاہ دی اور اس کی بیٹی اپنے لڑکے کے لیے لی تو بعض حالات میں یہ خوشگوار نتائج کے لیے ضروری

ہے۔ اس سے آپس میں اعتماد ہوتا ہے۔ ممنوع وہ شکل ہوگی جس میں لڑکی کی حیثیت عرفی ختم ہوتی ہے ورنہ نہیں۔

خنساء بنت خدام کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ثیبہ تھیں اور ان کے والد نے ان کا نکاح بغیر ان کی رائے کے کر دیا جس کو خنساء نے پسند نہیں کیا اور وہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح ختم کر دیا۔ ثیبہ کے بارے میں یہ ہے۔ اگر بکر ہے تو اس کے بارے میں یہ سمجھ لینا کہ باپ کو مطلق اختیار ہے میرے نزدیک یہ غلط ہے۔ بے شک اس کی خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی۔ ہمارے علاقوں میں یہی ہوتا ہے۔

نابالغہ کی بات الگ ہے۔ اگر اس زمانے میں نابالغہ کے نکاح کو خلاف قانون قرار دے دیا جائے تو بہت سے مصالح اس کے متقاضی ہیں کہ اس کو خلاف قانون قرار دے دیا جائے البتہ اس شکل میں حکومت کو بعض ذمہ داریاں لازماً اٹھانی پڑیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرض کر لیجئے کہ باپ دق میں مبتلا ہے اور اس کو خدشہ ہے کہ وہ مر گیا تو لڑکی کا کیا بنے گا اور وہ اس کا نکاح کہیں کر دے تو اس کو اطمینان ہوگا کہ لڑکی کا ٹھکانہ بن گیا۔ ایک مصلحت اس میں ہے۔ اس اختیار کو حکومت بڑی مصلحتوں کی بناء پر سلب کرنا چاہتی ہے تو وہ کر سکتی ہے لیکن اس طرح کے نکاحوں کی وہ ذمہ دار ہوگی اور حکومت کو ذمہ داری لینی چاہیے۔ اب تو شاید یہ ہوا کہ عمر تو حکومت نے مقرر کر دی، نابالغہ کا اس میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ نابالغہ کا نکاح خلاف قانون قرار پاتا ہے تو عظیم مصلحت کے تحت یہ صحیح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نابالغہ کے نکاح سے بڑے مفاسد پیدا ہوں گے اور وہ تمام چیزیں جو جائز ہیں اگر ان کو غلط استعمال کیا جاتا ہے تو اس بنیاد پر حکومت ان کو روکنے کے لیے مجبور ہے اور اس کو یہ کرنا چاہیے۔ یہ آپ نہیں کہہ سکتے کہ آزادی سلب کی جا رہی ہے۔ ایک سے زیادہ نکاح کو لیجئے۔ یہ مصلحت کے تحت جائز ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ ایک شخص مطلق العنان ہے، اس معاملہ میں حقوق ادا کرتا ہے یا نہیں ادا کرتا، معلقہ بنا کر رکھتا ہے یا بیوی بنا کر رکھتا ہے جیسا کہ ہے تو اگر آزادی کے یہ معنی ہیں تو حکومت ایسی آزادی پر قدغن لگا سکتی ہے۔ حکومت یہ کر سکتی ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کا تحفظ کرے جن کی بنیاد پر قانون کا اصل منشاء پورا ہو۔ یہ نہیں آپ کہہ سکتے کہ آزادی سلب کی جا رہی ہے۔ میرا فتویٰ یہ ہے۔

وحدثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ أَبِی الزُّبَیْرِ الْمَکِّی أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أُتِیَ بِنِکَاحٍ لَمْ یَشْھَدْ عَلَیْهِ اِلاَّ رَجُل" وَامْرَأَة" فَقَالَ ھٰذَا نِکَاحُ السِّرِّ وَلاَ أُجِیزُهُ وَلَوْ کُنْتُ تَقَدَّمْتُ فِیهِ لَرَجَمْتُ.

ترجمہ: ابی الزبیر المکی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے سامنے ایک ایسے نکاح کا معاملہ لایا گیا جس میں گواہ صرف ایک مرد اور ایک عورت تھی تو انہوں نے کہا کہ یہ تو نکاح راز ہے اور میں اس کو جائز قرار نہیں دیتا اور اس بارے میں اگر میں نے پیش قدمی کی ہوتی تو میں ان کو رجم کر دیتا۔

وضاحت:

نکاح میں کم از کم دو عادل مردوں کی گواہی شرط ہے۔ اس نکاح کو حضرت عمر بن الخطابؓ نے نکاح راز، ایک سازش قرار دیا اور کہا کہ اگر میں نے اپنے فتویٰ کو عام کیا ہوتا اور لوگوں کو میرے فتوے کے بارے میں معلوم ہوتا اور یہ بات لوگوں کے علم میں ہوتی تو میں ان کو رجم کر دیتا۔ چونکہ اس بارے میں پہلے سے نوٹس یا اعلان نہیں ہوا تھا اس لیے مجھے تردد ہے۔ اس روایت میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ رجم کرنے کا کہہ دیا، کوڑوں کا نہیں کہا۔ سازش قرار دیا، ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی کو نہیں مانا۔ احناف دو عورتوں کی گواہی کو مان لیتے ہیں لیکن شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں کہ نکاح اور طلاق کے معاملہ میں عورت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ بات کہ اس بارے حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں رجم کر دیتا تو اس کے معنی یہ ہے کہ اس کو انہوں نے سازش قرار دیا۔ یہ ہے تو بڑی خوفناک چیز کہ ایک مرد اور ایک عورت گواہ ہوں۔ ایک میاں بیوی کو اختیار حاصل ہو جائے گا کہ جہاں چاہیں نکاح باندھ دیں۔ یہ بات بھی ہے کہ نکاح راز ایک عام قسم کا جرم نہیں ہے کہ جہاں آپ نے چاہا کرا دیا۔ اس طرح کی سازش کرنے والوں کے لیے رجم کی سزا ٹھیک ہے۔ اگر آپ مانیں تو دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک شکل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تو یہ بات کہی ہوگی کہ علیحدہ کر دو تاکہ میں ان کو عبرت انگیز سزا دوں۔ راوی نے اس کو رجم سے تعبیر کر دیا۔ دوسری شکل میں، اگر رجم کے لفظ کو لیں گے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ انہوں نے اس کو ایک خطرناک سازش قرار دیا جس کی بنیاد پر ان کو رجم کرنے کی بات کی۔ واقعہ ہے کہ اس معاملے میں سازش کا بڑا امکان ہے کہ ایک میاں بیوی مل کر بڑی آسانی کے ساتھ مرد اور عورت کا نکاح باندھ دیں حالانکہ نکاح میں یہ ضروری ہے کہ اس کی تشہیر ہو، اعلان ہو، لوگ جانیں اور قابل اعتماد لوگوں کی موجودگی میں ہو۔ معلوم ہوا کہ جن قوانین میں سزائیں سخت ہوں ان کی صحیح طریقہ سے تشہیر ہونی ضروری ہے ورنہ لوگوں میں غلط فہمی کا امکان ہے۔ چنانچہ اس میں اس کا الاؤنس ان کو ملنا چاہیے۔ اگر کوئی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے تو یہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔

باب: نِکَاحُ الْاَمَةِ عَلَی الْحُرَّةِ

باب: ایک شخص کا نکاح ایک آزاد عورت سے ہوا ہے وہ اگر اس کے اوپر ایک لونڈی سے نکاح کرے تو حکم کیا ہے؟

۲۴. حدثنی یَحْییٰ عَنْ مَالِکٍ اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ سُئِلَا عَنْ رَجُلٍ کَانَتْ تَحْتَهُ امْرَءَ ةٌ حُرَّةٌ فَاَرَادَ اَنْ یَنْکِحَ عَلَیْهَا اَمَةً فَکَرِهَا اَنْ یَجْمَعَ بَیْنَهُمَا.

ترجمہ: امام مالکؒ کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ دونوں سے فتویٰ پوچھا گیا کہ ایک شخص جس کا نکاح ایک آزاد عورت سے ہے وہ اس کے اوپر ایک لونڈی سے نکاح کرے تو حکم کیا ہے تو ان دونوں نے اس کو ناپسند کیا کہ وہ شخص ان دونوں عورتوں سے ایک ساتھ نکاح کرے۔

وضاحت:

مالکیہ کے ہاں 'کرہ' کی اصطلاح سخت معنوں میں ہے یعنی ان دونوں بزرگوں نے آزاد عورت کے اوپر لونڈی سے نکاح کو سخت ناپسند کیا۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ مسائل اب ختم ہو گئے ہیں۔ لونڈی غلام کا مسئلہ ختم ہو گیا ہے اور یہ بات اسلام کے منشاء کے عین مطابق ہے۔ چونکہ غلامی اسلام کے نظام کا کوئی جزو نہیں ہے اس لیے ہمارے اوپر کسی دور میں بھی اس کے قائم کرنے کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ جس دور میں بھی سر اٹھائے اس کی مخالفت کی جائے گی۔ اسلام کے نظام کے جزو کی کوئی چیز اگر مٹی ہوئی ہو تو جب اس کا کوئی دور آئے گا تو اس کے قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی لیکن اگر جزو نہیں ہے تو ہم کو ہر دور میں اس کی مخالفت کرنی چاہیے۔ یہ میں نے اس لیے بتا دیا ہے کہ بعض حضرات اس امید میں ہیں کہ لونڈیوں اور غلاموں کا دور آنے والا ہے تو ہم بھی لونڈیاں پکڑ پکڑ کر اپنی جماعت کے لوگوں میں بانٹ دیں گے۔ یہ بات سمجھ لیجیے کہ غلامی ہمارے نظام کا جزو نہیں ہے۔ ہم نے تو بادلِ نخواستہ اس کو کراہت کے ساتھ بامر مجبوری گوارا کیا تھا۔ ایک بین الاقوامی مصیبت میں اکیلے ہم کچھ نہیں کر سکتے جب تک کہ کوئی مجموعی کام نہ ہو۔

اس روایت میں دونوں بزرگوں نے آزاد عورت کے ہوتے ہوئے لونڈی کے ساتھ نکاح کو ناپسند فرمایا تو

یہ سمجھ نہیں آتی کہ اس کی علت کیا ہے۔ جب ایک سے زیادہ نکاح کر سکتے ہیں تو لونڈیوں کے بارے میں یہ تصور کیوں؟ یہ بات یاد رکھیے کہ لونڈی کو اگر فروتر قرار دیا گیا ہے تو اس کو ذمہ داریوں میں فروتر قرار دیا گیا ہے، حقوق میں نہیں قرار دیا گیا۔ مثلاً یہ کہ ان پر حد نصف جاری کی جائے گی۔ یہ اس لیے کہ ان کو اپنے تحفظ کے لیے وہ مرتبہ حاصل نہیں جو ایک حرہ، آزاد عورت کو حاصل ہے۔ لیکن حقوق کے معاملہ میں کہیں بھی نہیں کہ اس بناء پر ان میں کمی کی گئی ہو۔ اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ نکاح ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں اور اگر کوئی شخص اس مقصد کے لیے لونڈیوں کا درجہ (Status) اونچا کرے تو میرے نزدیک یہ کام بہت شریفانہ ہے۔ اس کو مکروہ سمجھنا صرف عام روایت پر مبنی ہے کہ ایک حرہ یہ گوارا نہیں کرے گی کہ اس کا شوہر اس کے اوپر ایک لونڈی لے آئے۔ میرے نزدیک اس میں کراہت کا کوئی پہلو نہیں ہے لیکن اس مسئلہ پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ سسٹم اب ختم ہو چکا۔

وحدثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سعید عَنْ سَعِیدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّهُ کَانَ یَقُولُ لَا تُنْکَحُ الْاَمَةُ عَلَی الْحُرَّةِ اِلَّا اَنْ تَشَاءَ الْحُرَّةُ فَاِنْ طَاعَتِ الْحُرَّةُ فَلَهَا الثُّلُثَانِ مِنَ الْقَسْمِ.

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ حرہ (آزاد عورت) پر لونڈی کا نکاح نہ کیا جائے الا آنکہ حرہ اس کی اجازت دے۔ اگر حرہ اجازت دے دے کہ لونڈی سے نکاح کر لو تو حرہ کے لیے تقسیم میں دو ثلث ہوگا۔

وضاحت:

''حرہ کے لیے تقسیم میں دو ثلث ہوگا'' کا مطلب یہ ہے کہ تین راتوں میں سے دو راتیں حرہ کے لیے اور ایک لونڈی کے لیے ہوگی۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ سعید بن المسیب ایک بڑے فقیہ ہیں لیکن ان کا یہ فتویٰ غلط ہے۔ جب آپ نے لونڈی کو بیگم بنا لیا تو حقوق میں کمی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ سب بیویوں کے متعلق ایک ہی ضابطہ ہے کہ آپ عدل سے کام لیں گے۔ عدل کرنے کی انتہائی تاکید ہے تو اس کو توڑنے کی اجازت کس طرح دی جا سکتی ہے۔ یہ اصول یاد رکھیے کہ لونڈیوں کے بارے میں فرق کیا ہے تو فرائض میں کیا ہے حقوق میں نہیں ہے۔

قَالَ مَالِک'' وَلَا یَنْبَغِی لِحُرٍّ اَنْ یَتَزَوَّجَ اَمَةً وَهُوَ یَجِدُ طَوْلاً لِحُرَّةٍ وَلاَ

يَتَزَوَّجَ أَمَةً إِذَا لَمْ يَجِدْ طَوْلاً لِحُرَّةٍ إِلَّا أَنْ يَخْشَى الْعَنَتَ وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ. وَقَالَ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ، قَالَ مَالِكٌ" وَالْعَنَتُ هُوَ الزِّنَا.

ترجمہ: امام مالکؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ کسی آزاد کے لیے زیبا نہیں کہ وہ کسی لونڈی سے نکاح کرے جب کہ وہ ایک آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اور کسی لونڈی سے نکاح نہ کرے اگر آزاد سے نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا الا آنکہ اس کو کسی فتنہ میں پڑنے کا ڈر ہو۔ یہ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ''اور جو تم میں سے آزاد مومنات سے نکاح کرنے کی مقدرت نہ رکھتا ہو تو وہ مومنہ کنیزوں میں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، ان سے نکاح کرے۔'' اور فرمایا ''یہ اجازت تم میں سے ان کے لیے ہے جن کو گناہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔'' امام مالکؒ کہتے ہیں کہ فتنہ میں پڑ جانے کا مطلب زنا ہے۔

وضاحت:

امام مالکؒ نے 'عنت' کے معنی زنا بتائے ہیں۔ اس طرح سے لفظ کے معنی کو محدود کر دیا ہے۔ اس کے اصل معنی تو مشقت میں پڑنے کے ہیں۔

امام مالکؒ نے لونڈی سے نکاح کی شرطیں بتائی ہیں لیکن اب ہمارے لیے یہ سب غیر ضروری ہے اس لیے کہ اب مسئلہ غلامی ختم ہو چکا ہے۔

(ترتیب: سید اسحاق علی)

ہدایت وضلالت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر فرمایا ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کی ماؤں کے پیٹوں ہی سے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا کر پیدا کیا ہے کہ وہ ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوں گے یا ضلالت کی گمراہیوں میں بھٹکے پھریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے زور سے چاہتا تو ساری مخلوق کو ہدایت پر کر دیتا جس سے اس کو کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ وہ چاہتا تو ایمان و اسلام کسی کے دل میں زبردستی ٹھونس سکتا تھا۔ وہ اگر یہ کرتا تو یہ اس کے عدل وحکمت اور رحمت کے خلاف ہوتا اور قیامت کے دن لوگ ناکردہ گناہوں پر پکڑے جاتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں جبر کو پسند نہیں فرمایا اور ہدایت وضلالت کے متعلق اپنی سنت بیان کر دی ہے کہ کس قسم کے لوگ ہدایت پائیں گے اور کون لوگ کفر کی تنگنائیوں میں حیران و پریشان سرگرداں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا چاہنا اس کے علم وحکمت پر مبنی ہوتا ہے وہ اپنے قرب کے مدارج کو آنکھ بند کر کے نہیں بانٹتا بلکہ ان کو بخشتا ہے جو اس کے سزاوار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اچھی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے اس کو نیکی و بدی میں امتیاز کی صلاحیت بخشی ہے اور ساتھ ہی نیکی کو پسند کرنے اور بدی سے نفرت کرنے کا مزاج بھی اس کے اندر ودیعت کیا ہے۔ ان فطری صلاحیتوں سے آراستہ کرنے کے بعد انسان کو آزاد چھوڑا ہے کہ چاہے وہ نیکی کا راستہ اختیار کرے چاہے بدی کا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ نیکی و بدی کی راہ بھی واضح کر دی ہے۔ جو لوگ ان صلاحیتوں کو زندہ رکھتے ہیں اور اس سے کام لیتے ہیں اور نیکی اور بھلائی کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کی فطری صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں نیکی کی راہ میں ترقی کی توفیق ملتی ہے۔ انہیں

زیر ہدایت ملتی ہے اور وہ درجہ بدرجہ علم وعمل میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔

قرآن مجید سے ہدایت کے جو اصول معلوم ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

اس کائنات کے اندر انسان کے اپنے وجود کے اندر بھی خالق کائنات نے اپنی ان گنت نشانیاں پھیلا دی ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی سمع، بصر اور فواد کی صلاحیتوں کو استعمال کر کے ان نشانیوں پر غور کرتے ہیں اور غور وفکر سے جو بدیہی نتائج ان کے سامنے آتے ہیں ان کو حرز جاں بناتے ہیں ان کو ایمان وہدایت کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ دلیل وحجت کے ذریعہ رہنمائی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حجت بالغہ اپنے رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو پہنچا دی ہے۔ اس کو سننے اور سمجھنے کے لیے کانوں اور دلوں کو کھولنا ضروری ہے۔ جو لوگ اس حجت بالغہ کو سنتے اور سمجھتے ہیں انہیں ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ ہدایت کے حصول کی صرف یہی راہ ہے۔ خدا اپنی مشیت کے زور سے کسی کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ حجت ودلیل اور عقل ودل کا سودا ہے چنانچہ فرمایا:

"کہہ دو کہ اللہ کے لیے بس حجت ہے پہنچ جانے والی، اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔" (انعام۔149) ۔

اللہ تعالیٰ ایمان واسلام کی نعمت ان لوگوں کو بخشتا ہے جو اس کے قدر دان ہوتے ہیں اور اس کے لیے وہ اپنی ان صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہیں جو خدا نے ان کے اندر ودیعت فرمائی ہیں۔ جب وہ ان کو استعمال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو مزید توفیق ارزانی ہوتی ہے۔

جو لوگ اپنی آنکھیں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھنے کے لیے، اپنی زبانیں حق گوئی کے لیے، کان اللہ اور رسول کی باتیں سننے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اللہ کی آیات کی قدر کرتے ہیں ان کو وہ نہ صرف ہدایت بخشتا ہے بلکہ دین ودنیا دونوں کی سرفرازی عطا فرماتا ہے۔ ان کی عقل کو ان سے رفعت اور ان کی روح کو معراج حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت ان لوگوں کو نہیں بخشتا جو معجزوں اور کرشموں کا مطالبہ کرتے ہیں بلکہ ان لوگوں کو یہ نعمت عطا کرتا ہے جو آفاق وانفس کی نشانیوں کو دیکھ کر حقیقت کے طالب بنتے ہیں اور خدا کی طرف شرح صدر اور طمانیت قلب کے لیے متوجہ ہوتے ہیں۔ جن کے اندر یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے ان کے لیے ہر عذر دے و آواز پیغمبر معجز داست۔

ہدایت وضلالت کے معاملہ میں اصل اہمیت رکھنے والی شئے یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کا دامن پکڑتا ہے یا

کسی غیر کا۔ اگر وہ خدا کا دامن پکڑتا ہے تو خدا اپنے بندے کا کارساز اور مددگار بن جاتا ہے اور اپنی توفیق بخشی سے درجہ بدرجہ اسے نفس وشہوات کی تمام تاریکیوں اور کفر وشرک اور نفاق کی تمام ظلمات سے نکال کر ایمان کامل اور توحید خالص کی شاہراہ پر کھڑا کر دیتا ہے۔

اگر آدمی عقل وتدبر سے کام نہ لے تو اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کو معبود بنا کر سجدے کرتا ہے اور ان سے حاجت روائی کا امیدوار ہوتا ہے۔ اگر عقل وفکر سے کام لے تو شمس وقمر اور زہرہ ومشتری سب اس کی راہ کی گرد ہو کر رہ جاتے ہیں یعنی جو لوگ ملکوت الٰہی پر غور کرتے ہیں اللہ تعالیٰ علم ومعرفت اور ایمان ویقین میں ان کے مدارج بلند کرتا ہے۔ فرمایا:

"ہم جس کو چاہتے ہیں درجے پر درجے بلند کرتے ہیں۔ بے شک تیرا رب حکمت والا، علم والا ہے۔ (انعام۔83)

ضلالت

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہی اور ضلالت کی تنگنائیوں میں بھٹکنے والے لوگوں کے فکر وعمل میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

زمین وآسمان کے اندر موجود نشانیاں اور اپنے وجود کے اندر کی نشانیاں دیکھنے کے باوجود یہ لوگ اندھے بہرے بنے رہتے ہیں اور اپنی خود پرستیوں اور سرمستیوں میں مگن رہتے ہیں، قرآن اور پیغمبر کی بار بار کی تذکیر کے باوجود اپنی آنکھیں نہیں کھولتے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو الٹ دیا کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ فکر ونظر کی صلاحیت سے محروم ہو جایا کرتے ہیں۔ پھر بڑی سے بڑی نشانی اور بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جو لوگ سیدھے دیکھنے کے بجائے الٹے دیکھتے ہیں اور سیدھی راہ اختیار کرنے کی بجائے الٹی راہ پر چلتے ہیں ان کے دل اور ان کی فکر بھی کج کر دی جاتی ہے۔ پھر وہ احول کی طرح ہر چیز کو بس اپنے مخصوص زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

"اور ہم ان کے دلوں اور نگاہوں کو الٹ دیں گے جس طرح وہ پہلی بار ایمان نہیں لائے اور ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔" (انعام۔110)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو پانے کے بعد بھی اپنی خواہشوں ہی کے پیچھے کتے کی طرح زمین کو سونگھتے ہوئے چلتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کی خواہشوں کے سپرد کر دیتا ہے اور پھر وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔

جیسا کہ فرمایا:

''اور ان کو اس کی سرگزشت سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیات عنایت کیں تو وہ ان سے نکل بھاگا پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا، بالآخر وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیات کے ذریعہ سربلند کرتے لیکن وہ زمین ہی کی طرف جھکا اور اپنی خواہشوں ہی کا پیرو بنا رہا تو اس کی تمثیل کتے کی ہے۔ اگر اس کو دھتکارو جب بھی زبان نکالے رکھتا ہے یا چھوڑ دو جب بھی زبان نکالے رکھتا ہے۔''

(اعراف۔174-176)

شیاطین ایسے لوگوں کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے کر عقل وفطرت کی ہر روشنی سے دور کر کے ان کو ضلالت کے کھڈ میں گرا دیتے ہیں پھر ان کو گمراہی کی دلدلوں میں سرگشتہ وحیران رکھتے ہیں۔ سنت اللہ کے مطابق ان لوگوں پر ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے جو ان کا دن رات کا ساتھی بن جاتا ہے۔ پھر وہ اس وقت تک ان کی جان نہیں چھوڑتا جب تک ان کو جہنم کا ایندھن نہ بنا لے۔ انسان کے دل کی خصوصیت یہ ہے کہ جب تک وہ خدا کی یاد سے آباد رہتا ہے اس وقت تک تو شیطان کو اس میں راہ نہیں ملتی لیکن جب انسان خدا سے غافل ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ شیطان اس کے دل پر قبضہ جما لیتا ہے۔ مشہور مثل ہے کہ ''خانہ خالی را دیو میگیرد'' جس گھر میں آدمی نہیں رہتا وہ شیطان کا مسکن بن جاتا ہے پھر اس کے چنگل سے نکلنا آسان نہیں رہ جاتا۔ بہتر سے بہتر تذکیر وموعظت بھی جو اس کے سامنے آتی ہے شیطان اس کے خلاف شبہات واعتراضات ایجاد کر کے اس کو اس سے برگشتہ کر دیتا ہے۔ البتہ جو لوگ اپنے دل کو اپنے رب کی یاد سے آباد رکھتے ہیں شیطان کو ان کے اندر گھسنے کی راہ نہیں ملتی اور اگر غفلت کے سبب اس کو در اندازی کا کوئی موقع مل بھی جائے تو اس کو وہاں ٹکنے کی جگہ نہیں ملتی بلکہ بندہ کے متنبہ ہوتے ہی شیطان کو وہاں سے بھاگنا پڑتا ہے لیکن جو لوگ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں یہ شیاطین جن وانس ان کو سیدھی راہ سے روک دیتے ہیں لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ان کے پھندوں میں پھنسے ہوئے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ وہ بالکل سیدھی راہ پر چل رہے ہیں۔ سورہ زخرف میں فرمایا:

''اور جو خدا کے ذکر سے اعراض کر لیتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں اور وہ ان کا ساتھی بن جاتا ہے اور وہ ان کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔'' (زخرف۔36-37)

جو لوگ اللہ تعالی کی نعمتوں اور اس کی بخشی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کا بے جا استعمال کرتے ہیں۔ اللہ

کے انعامات کو اس کا فضل قرار دینے کی بجائے ان کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ جو نعمتوں پر خدائے منعم اور دیان کے شکرگزار ہونے کے بجائے غرور وگھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں اور ابلیس کی طرح اکڑتے ہیں اور جو لوگ خدا کی بندگی اور فرمانبرداری کی روش اختیار کرنے کی بجائے خود اپنی خدائی کے تخت بچھاتے ہیں، اپنے کو رب ٹھہراتے ہیں اور جو لوگ اس ظلم میں مبتلا ہوتے ہیں ان پر ہدایت کی راہ نہیں کھلا کرتی۔ ایسے لوگوں کے سامنے حق کتنے ہی واضح طریقہ پر کیوں نہ آئے وہ اس کو قبول کرنے کی بجائے بحث وکٹ حجتی کی کوئی نہ کوئی راہ ڈھونڈھ ہی لیتے ہیں یہاں تک کہ اگر ان لوگوں کو اس کی کوئی راہ ملتی نظر نہیں آتی ہے تو وہ نمرود کی طرح ہکے بکے اور ششدر ہو کر تو رہ جاتے ہیں لیکن حق پھر بھی قبول نہیں کرتے۔ ارشاد ہوا:

''اور ابراہیم نے کہا کہ یہ بات ہے تو اللہ سورج کو پورب سے نکالتا ہے تو اسے پچھم سے نکال دے تو وہ کافر یہ سن کر بھونچکا رہ گیا اور اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا۔''

(البقرہ۔258)

اللہ تعالی نے ہر انسان کے اندر خیر وشر کے امتیاز کی فطری صلاحیت رکھی ہے۔ جو لوگ اس کو ضائع کر بیٹھتے ہیں ان کو مزید ہدایت ملنا تو الگ رہا سنت اللہ کے مطابق ان کی فطری صلاحیت بھی سلب ہو جاتی ہے۔ سیدنا مسیحؑ نے اس حقیقت کو نہایت بلیغ پیرایہ میں یوں سمجھایا ہے کہ جو غلام ایک پیسہ میں چور ثابت ہوا اس کو اس کا مالک ایک لاکھ روپے کی امانت کیسے سونپے گا۔ اس کے باوجود اگر خدا ان کے اندر ہدایت ڈال دیتا تو وہ ڈالنے کو تو ڈال دیتا لیکن وہ ان کے اندر جڑ نہ پکڑ سکتی۔ ان کی طبیعتیں ان سے ابا کرتیں بالآخر وہ اس کو اگل دیتے۔ غذا کتنی ہی صالح کیوں نہ ہو لیکن معدہ فاسد ہو چکا ہو تو وہ اس کو قبول نہیں کرتا۔ آدمی لقمہ حلق سے اتار تو لیتا ہے لیکن بڑی جلدی قے کر دیتا ہے۔ ایک پودے کی صحیح نشوونما کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی ذات سے تندرست ہو بلکہ اس کے لیے زمین کی زرخیزی بھی مطلوب ہوتی ہے۔ ایک مالی اگر بنجر زمین میں عمدہ سے عمدہ پودا لگا دے تو لگانے کو تو لگا دے گا اور چند روز پودا اپنی ذاتی صلاحیتوں کے بل پر زندہ بھی رہے گا لیکن جب زمین کے اندر سے اسے اس کے مزاج کے مطابق مطلوب غذا نہیں ملے گی تو بالآخر وہ سوکھ جائے گا۔

ٹھیک یہی حال نیکی کے بیج کا بھی ہے۔ یہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق صالح فطرت کی زمین کے اندر نشوونما پاتا ہے۔ اگر کسی شخص کی فطرت کی زمین شور ہو چکی ہو تو یہ بیج ڈالنے کو تو قدرت اس کے اندر بھی ڈال سکتی ہے۔ لیکن قدرت ہی کا قانون ہے کہ وہ اس کے اندر نشوونما نہ پا سکے گا۔ سورہ انفال میں فرمایا:

''اللہ کے نزدیک بدترین جانور یہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے اور اگر

اللہ ان میں کوئی صلاحیت دیکھتا تو ان کو سنواتا اور اگر ان کو سنواتا تو وہ اعراض کرتے ہوئے منہ پھیرتے۔" (انفال۔23-22)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو شرف بخشا ہے وہ صفات و کردار کے ساتھ مشروط ہے۔ کائنات کی تمام بے ارادہ اشیاء اللہ ہی کے امر کے تابع اور اس کے آگے سربسجود ہیں۔ اسی طرح اللہ کے بہت سے بندے ایسے ہیں جنہوں نے اپنے اختیار و ارادہ کو اللہ ہی کے حکم کے تابع کر دیا ہے اور اپنے رب کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے لیکن بہتوں نے اپنے اس اختیار و ارادہ کو غلط استعمال کیا ہے اور اپنی شامت اعمال سے اس سب سے بڑے شرف کو اپنے لیے سب سے بڑی گمراہی اور سب سے بڑی ذلت کا سبب بنا لیا ہے۔ کائنات کی چیزوں کا حال تو یہ ہے کہ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان کی خدمت کے لیے بنایا ہے ان میں سے کوئی چیز بھی انسان کو سجدہ کرنے کا ننگ گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں لیکن انسان کی سفاہت و رذالت کا حال یہ ہے کہ وہ اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہوتے ہوئے اپنے سے فروتر مخلوقات کو معبود مان کر ان کے آگے ڈنڈوت کرتا ہے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق اسی گڑھے میں گرنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے جس میں وہ گرنا چاہتے ہیں۔ سنت اللہ کی زد میں آئے ہوئے لوگوں کو کوئی دوسرا سنبھالنے والا نہیں بن سکتا۔ سورہ حج میں فرمایا:

"کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی کے آگے جھکتے ہیں جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند ستارے پہاڑ درخت اور چوپائے اور لوگوں میں سے بہتیرے ایسے ہیں جن پر خدا کا عذاب لازم ہو چکا ہے۔" (حج:18)

جو لوگ ہدایت کے حصول کے لیے عجائبات اور کرشموں کے درپے رہتے ہیں ان کی زندگی ہمیشہ ٹھوکریں کھانے میں گزرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے آنکھوں والے اندھوں کے لیے یہی چاہتا ہے کہ وہ اپنی ضلالت میں پڑے رہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر جبر و زور اور معجزوں کے بل پر لوگوں کو مومن بنانا چاہتا تو اس کے پاس ایک سے ایک بڑھ کر معجزے موجود ہیں لیکن وہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنی عقل و فکر سے کام لے کر اس کی طرف متوجہ ہوں۔

فاران فاؤنڈیشن

- پبلشرز
- بک سیلرز

فرسٹ فلور، ملک بلڈنگ، 19۔ اے ایبٹ روڈ، لاہور۔
فون: 6303244-42-92+ ای میل: faran@wol.net.pk

پرائس لسٹ

نام کتاب	قیمت
تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ	
1. مجموعہ تفاسیر فراہی	Rs. 400.00
2. *تفسیر قرآن کے اصول	Rs. 80.00
3. حکمت قرآن	Rs. 120.00
تالیفات مولانا امین احسن اصلاحیؒ	
1. تدبر قرآن — کامل (۹ جلد)	Rs. 3,330.00
(فی جلد)	Rs. 370.00
2. قرآن حکیم مع ترجمہ و اخذ و تلخیص تفسیر تدبر قرآن (مجلد ایڈیشن)	Rs. 600.00
(عام ایڈیشن)	Rs. 425.00
3. قرآن مجید مترجم بین السطور ترجمہ	Rs. 520.00
4. اشاریہ تفسیر تدبر قرآن	Rs. 160.00
5. *تدبر حدیث — شرح موطا امام مالک	Rs. 350.00
6. *تدبر حدیث — شرح صحیح بخاری (جلد اول)	Rs. 360.00
7. *تدبر حدیث — شرح صحیح بخاری (جلد دوم)	Rs. 360.00
8. مبادی تدبر قرآن	Rs. 160.00
9. مبادی تدبر حدیث	Rs. 130.00
10. حقیقت شرک و توحید	Rs. 210.00
11. حقیقت نماز	Rs. 75.00
12. حقیقت تقویٰ	Rs. 75.00
13. تزکیہ نفس — کامل	Rs. 300.00

نام کتاب	قیمت
13. تزکیہ نفس — جلد دوم	Rs. 150.00
14. دعوت دین اور اس کا طریقہ کار	Rs. 160.00
15. اسلامی قانون کی تدوین	Rs. 110.00
16. اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	Rs. 110.00
17. اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	Rs. 160.00
18. قرآن میں پردے کے احکام	Rs. 20.00
19. فلسفے کے بنیادی مسائل — قرآن حکیم کی روشنی میں	Rs. 170.00
20. تفہیم دین	Rs. 130.00
21. مقالات اصلاحی (جلد اول)	Rs. 240.00
22. مقالات اصلاحی (جلد دوم)	Rs. 275.00
23.* اصول فہم قرآن	Rs. 34.00
24. اسلامی ریاست (زیر طبع)	----
تالیفات مولانا خالد مسعودؒ	
قرآن حکیم (سٹینڈرڈ ایڈیشن) — مع ترجمہ و اخذ و تلخیص تفسیر تدبر قرآن؛ ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ؛ حواشی: مولانا خالد مسعودؒ	Rs. 600.00
(عام ایڈیشن)	Rs. 425.00
حیات رسول امی ﷺ	Rs. 375.00
اسباق نحو	Rs. 36.00